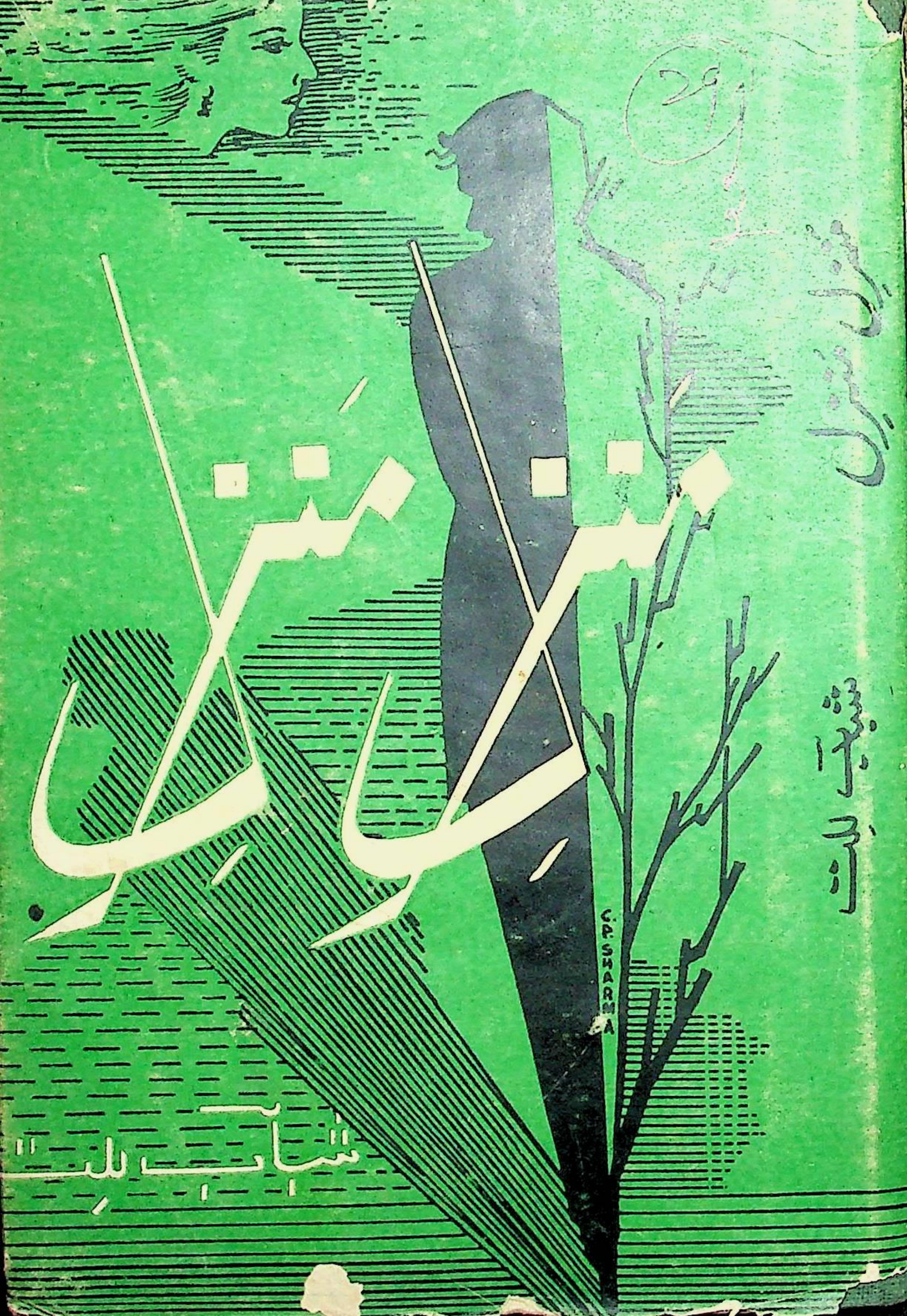

C.P. SHARMA
شباب للت



میں شباب دھرتی کے درد و غم کا محرم ہوں
دعویٰ سخن کب ہے مجھ کو چاند تاروں سے

صاحبِ تصنیف ... شباب للت

تاریخِ پیدائش ... ۳؍ اگست سنہ ۱۹۳۳ء

مقامِ پیدائش ... خان گڑھ۔ ضلع مظفر گڑھ (مغربی پاکستان)

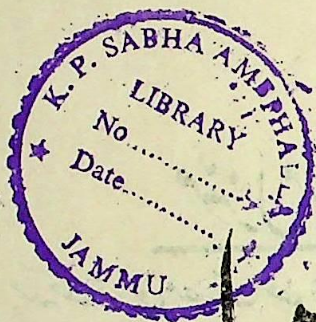
تعلیم ..... ایم اے (تاریخ) ایم اے (اردو)
یونیورسٹی میڈلسٹ۔ بی ٹی۔

پیشہ ..... ملازمت۔ وزارتِ اطلاعات و نشریات۔
حکومتِ ہند۔

قیامِ حال ..... دھرم سالہ (ہماچل)

تصانیف:-

مضراب	(مجموعۂ کلام)	سنہ ۱۹۶۱ء
پتوار	"	سنہ ۱۹۶۴ء
پُروائی	"	سنہ ۱۹۶۷ء
منزل منزل	(زیرِ نظر مجموعہ)	سنہ ۱۹۷۰ء



منزل منزل

شباب للت ایم اے

کا

چوتھا مجموعۂ کلام

(تخلیقات از ۱۹۶۷ء تا ۱۹۷۰ء)

منزل منزل

اشاعت اوّل۔ ۱۹۷۰ء ۔ گیارہ سَو
خالق سرورق .... او، پی شرما۔ جموّں
کاتب .... بخشی اینڈ سنز۔ روزنامہ "پرتاپ" جالندھر
طابع .... پنجاب نیشنل پریس جالندھر

قیمت : چار روپے

ناشران :-
للت برادرز پبلشرز۔ ریلوے روڈ۔ کوروکشیتر (ہریانہ)

ملنے کا پتہ

۱۔ مکتبہ بیسویں صدی۔ دریا گنج۔ دہلی ۶
۲۔ پنجاب اردو اکاڈمی۔ ۳۳۴۹۔ سیکٹر ۲۱ ڈی۔ چنڈیگڑھ
۳۔ فرینڈز لائبریری شاپ ۵۲۔ سیکٹر ۲۳۔ سی۔ چنڈیگڑھ
۴۔ مکتبہ مرکزِ اردو۔ کچّی چھاؤنی جموّں (توی)
۵۔ کرشنا برادرز۔ پبلشرز۔ کانگڑہ (ہماچل)

منزل پہ آ گئے ہیں تو اب اس سے کیا غرض

رہبر نے کیا سلوک کیا ہم سے راہ میں

فہرس

اُستادِ مکرّم، گرامی منزلت

علامہ بشیشور پرشاد صاحب مُنوّرؔ لکھنوی (مرحوم)

کے نام

تیری لَے جب سے مرے نغموں میں شامل ہو گئی
انجمن میرے خلوصِ فن کی قائل ہو گئی

شبابؔ للت

حالات کو بدلنے کی ہمت اگر نہیں

ہم لوگ شکوۂ غمِ حالات کیوں کریں

حرفِ چند

آنریبل شری لال چند صاحب پرارتھی وزیرِ مال و صحت
ہماچل پردیش گورنمنٹ

جنابِ للت میرے دیرینہ واقف کار ہیں۔ لفظ واقف کار تعلقات کے قدرے کمزور پہلو کا مظہر بے شک ہے۔ مگر اسے حالات کی ضد کہئے یا قدرت کی ستم ظریفی کہ مدّتِ مدید کی اچھّی خاصی جان پہچان کے باوجود وہ قرب نصیب نہیں ہوا جو رفاقت کی بنیاد بن سکتا اور اس لئے دُنیاداری کے طور پر بھی ہمارے ایک دوسرے کے حلقۂ احباب میں شامل ہونے کا فخر ایک سعیٔ لاحاصل رہا۔

یہ بات تو رہی جنابِ للت سے متعلق —————— اور

"جب ذکرِ شباب آیا، سمجھے کہ شباب آیا"

کے مصداق جناب شباب سے تو ہماری واقفیت ہی نہیں بلکہ یگ یگ سے دوستی ہے۔ شباب کا نام زبان پر آیا اور

"پردے میں گل کے لاکھ جگر چاک ہو گئے"

ماضی کی جانب مڑ کر دیکھا اور وجود و عدم کے لامتناہی سلسلے کی ہر منزل پر شباب کو مسرور و شادماں چہچہاتے اور مسکراتے ہوئے پایا۔ اپنے شباب کا خیال آیا تو بے ساختہ یہ شعر یاد آ گیا

اِک ناز و ادا کی موج سی تھی دم بھر کو اٹھی پھر بیٹھ گئی
تم جسکو جوانی کہتے ہو ہم نے وہ زمانہ دیکھا ہے

غرضیکہ شباب کے کئی رنگ ہیں۔ یہ جس نام کے ساتھ منسلک ہو گیا یا جس فردِ واحد سے وابستہ ہو گیا اُس پر نکھار آ گیا، ابھار آ گیا۔ یوں تو کاروانِ حیات کی شباب ایک خاص منزل ہے مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ "للت" سے جڑا ہوا شباب وقت اور فاصلے کی قید سے آزاد، ہر منزل ہر عالم میں شباب ہی رہے گا اور للت بڑھاپے میں بھی شباب للت ہی کہلائے گا۔ اچھا ہے۔ یہ سدا بہار جوانی کسے نصیب ہوتی ہے۔

شباب للت کا ذکر آتا ہے تو ایک کہنہ مشق ادیب اور ممتاز فن کار کی شخصیت سامنے اُبھر آتی ہے۔ جس کی ادبی کاوشوں، فنی صلاحیتوں، انسانی قدروں کی آرائشوں، جمالیاتی رنگینیوں اور شاعرانہ بے باکیوں کا میں قائل ہی نہیں مداح بھی ہوں۔ ادب برائے افادیت

یا ادب برائے زندگی کا نظریہ جس فنکار کی شاعری کا محرّک رہا ہو۔ اور جو آسمان کی یا کسی دوسرے جہان کی باتیں نہ کرکے، اس ارضی دُنیا کی اور اس میں رہنے والے لوگوں کی بات سوچتا ہو اس کے لئے قدر و منزلت کا جذبہ پیدا ہونا بالکل قدرتی امر ہے۔

جناب شباب للت کے چوتھے مجموعۂ افکار کا مسوّدہ جب میرے سامنے آیا اور اصرار کیا گیا کہ میں اس کے بارے میں اپنے خیالات یا رائے لکھوں تو میں ذہنی کشمکش میں مبتلا ہو گیا۔ موجودہ دور کی سیاسی ہنگامہ خیزیوں کے درمیان فرصت کے چند لمحے بھی کہاں سے نکالوں؟ اور پھر مجھے کتابوں سے دلچسپی ہی سہی یا عام طور پر مطالعہ کا شوق ہی سہی، نہ تو میں ادیب ہوں اور نہ ناقد کہ اس عمر میں للت کی دلنوازیوں اور شباب کی جولانیوں کا دامن تھام سکوں۔ اور شباب للت کی تخلیقات پر لب کشائی کا حوصلہ بھی کر پاؤں۔ ادب نوازی کا دعوےٰ کبھی نہیں کرتا۔ اور نہ سخن فہمی کا مدّعی ہوں ہاں ادب و فن کے بحرِ بیکراں کے کنارے بیٹھا خوبصورت کنکر پتھر چُن لیتا ہوں اور اُنہیں سے اپنا دامن بھر کر خوش ہو لیتا ہوں۔ یا یوں سمجھ لیجئے کہ بقولِ غالب ؎

اچھّا ہے دِل کے پاس رہے پاسبانِ عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

میں بھی کبھی کبھی پاسبانِ عقل کو تنہا چھوڑ دینے کا عادی ہوں اور اِن فرصت کے لمحات میں جو کبھی حاصل کرتا ہوں۔ وہی میرا حقیقی سرمایۂ حیات

ہے۔ ایسے ہی ان لمحات میں جناب شباب للت کے تین مجموعہ ہائے کلام میری نظر سے گزرے ہیں۔ مضراب، "پرواز" اور "پروائی" کے بعد شعر و سخن کا یہ قافلہ اب منزل بمنزل آگے بڑھ رہا ہے۔ میرا یقین واثق ہے کہ ابتدائی منزلوں کو بہت پیچھے چھوڑ کر شباب ایک ایسے مقام پر آ گئے ہیں جہاں خیالات میں پختگی، سوچ میں گہرائی، فکر میں لطافت پرواز میں بلندی اور جذبات میں سلجھاؤ آ جاتا ہے۔ یہ اور ایسی ہی خصوصیات نیز مختلف اصنافِ سخن پر طبع آزمائی کی قدرت، کسی کہنہ مشق ادیب اور خوش فکر فنکار ہی کا حصّہ ہو سکتی ہے۔ صاف گوئی، حقیقت پسندی جو کچھ دیکھنا اُسے کُھل کر کہنا، جو محسوس کرنا اُسے آسانی اور خوبصورتی سے صفحۂ قرطاس پر منقش کر دینا اُن کی فنی صلاحیت کے ایسے نادر جوہر ہیں جو اُن کے مجموعہ ہائے کلام میں جگہ جگہ بکھرے پڑے ہیں۔ شباب نے اِس دُنیا کو نزدیک سے دیکھنے کی کوشش کی ہے۔ اور زندگی کے ہر پہلو پر بھرپور نظر ڈالی ہے۔ اور تبھی یہ کہا ہے کہ

ہاں شباب دھرتی کے درد و غم کا محرم ہوں
دعوےِ سخن کب ہے مجھ کو چاند تاروں سے

حق بات کہنے میں شباب جھجک محسوس نہیں کرتا۔ اور ببانگِ دہل قافلے والوں کو ہشیار کرتا ہوا کہتا ہے۔

اے قافلے والو! ذرا ہشیار! کہ باتیں
کرنے لگے اب راہ بنا اور طرح کی

محلوں کے مکیں آج بھی ہیں آندھوا میں
لیکن ہے زمانے کی ہوا اور طرح کی

اور حالاتِ حاضرہ پر لطیف چوٹ کس چستی اور بے باکی سے کی گئی ہے۔

ے طوفان حادثوں کے رُخ اپنا پلٹ گئے
اہلِ وفا جب اپنے ارادوں پہ ڈٹ گئے
مخلص ہے کون ؟ ہو گا یہ منزل پہ فیصلہ
فی الحال ایک موڑ پہ رہبر تو ہٹ گئے

اور اگلے موڑ پر شباب نے کور ذہنوں اور شب پرستوں کو جس شدت سے جھٹکا دیا ہے اور انہیں نظر انداز کر کے اہلِ وطن کو آگے بڑھنے کا جو پیغام دیا ہے وہ وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔

ے جو آنکھ موندتے ہیں وقت کے تقاضوں سے
وہ کور ذہن بگڑتے ہیں تو بگڑنے دو
نئی سحر کے اُجالے ہیں ناگوار جنہیں
وہ شب پرست بچھڑتے ہیں تو بچھڑنے دو

جناب شباب کی ادبی تخلیق دورِ حاضرہ کی ہر جھلک کی عکاسی کرتی ہے۔ اگر اس میں "تحریر حق کے جرم میں ہاتھ کٹنے" کی بات ہے تو "تکمیل رندی" میں اس مقام کی بھی تصویر کشی ہے جہاں "ساغر اٹھائے جانے پر فرشتوں کا سلام" آتا ہے "تمناؤں کی وادی" (نظم) میں دھولا دھار، بھاگسو ناگ منی کرن، بیاس، دھرم سالہ، جوالا مکھی، منالی کا ذکر محض منظر کشی تک

محدود نہیں رکھا بلکہ اُن کی اہمیت اور اُن سے وابستہ روایات کو بھی کمال خوبی سے اُبھارا ہے۔ "قائد سالار سے" خطاب کرتے ہوئے شباب نے دُکھتی رگ پر ہی تو ہاتھ نہیں رکھا ہے بلکہ وطن کے جسم میں بنتے ناسور فرقہ پرستی اور غدارانہ روش کی طرف بھی قوم کی توجہ مبذول کرائی ہے۔ "ادھورے سپنے" میں دیش کی بڑھتی ہوئی آبادی اور اُس سے پیدا ہونے والے خطرات کا خاکہ بھی خوب کھینچا ہے۔

"دستک" اور "طمانچہ" دو آزاد نظمیں اُن کے جذبۂ حُب الوطنی کی صاف غمازی کرتی ہیں۔ غرضیکہ شاعر کے دل و دماغ نے آج کے ماحول سے جو تاثرات لیے اور فطرت کے جن اشاروں کو اُس نے کم و بیش سمجھنے کی کوشش کی نیز وقت کی جس فرصت کا احساس کیا۔ اُنہیں خوبصورت الفاظ میں شعری جامہ پہنا کر قدر دان اور ادب نواز حضرات کو پیش کر دیا۔

میدانِ ادب میں مسلسل پیش قدمی ہی "منزل منزل" جیسے شعری مجموعہ کی وجہ تسمیہ سمجھی جا سکتی ہے۔ جو واقعی صحیح بھی ہے۔ "مضراب" کی جھنکار نے دھرتی کی دھڑکنوں کو تیز تر کیا۔ "پتوار" نے علم و ادب کے سمندر کی گہرائیوں کو ماپا۔ اور انسانی فطرت کے دریا کی لہروں سے اٹکھیلیاں کیں۔ "پُروائی" نے پر پرواز میں وہ طاقتیں بھر دیں کہ شباب بادِ نسیم کی ہلکی ہلکی لہروں پر تیرتا ہوا اور اُونچا اور اُونچا اُٹھا۔ شاید اقبال کے اِس خیال کی تصدیق کرنے کو کہ کیا واقعی ــــ

"ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں"

اور اس مسلسل پیشقدمی نے یقیناً شباب کو ضروری سنجیدگی، عالی حوصلگی اور قوتِ ارادی کی پختگی بخشی ہے اور تبھی وہ یہ کہنے کے قابل ہوا ہے۔ کہ ؎

منزلیں بلاتی ہیں خود اُنھیں اشاروں سے!
ہنس کے جو گزرتے ہیں غم کے خارزاروں سے

قوتِ ارادی سے مانگ ہر مراد اپنی
مانگتا ہے کیا ناداں بخت کے ستاروں سے؟

میں جناب شباب للت کو اُن کی اِس محنت اور ادبی خدمت کے لئے مبارکباد دیتا ہوں۔ یہی کیا کم صلہ ہے ان کی فنی کاوشوں کا کہ اُن کی سابقہ دو شعری تصانیف "مضراب" اور "پتوار" کو حکومتِ پنجاب نے بہترین شعری تصانیف قرار دے کر ۱۹۶۳ء اور ۱۹۶۴ء میں انعام واکرام سے نوازا۔ اُمیدِ کامل ہے کہ یہ ادبی تخلیق بھی اربابِ ذوق ونظر سے پسندیدگی کا شرف حاصل کرے گی۔ اور حلقۂ احباب میں بھی مقبول ہوگی۔

دُعا ہے کہ شباب منزل منزل آگے بڑھتا ہوا اُس مقام پر پہنچے جہاں منزل کی تلاش میں آگے بڑھنے کی خواہش بھی ختم ہو جاتی ہے۔ اور منزل خود مسافر کی تلاش میں تڑپ اُٹھتی ہے۔

یہ مقام وہ ہے جہاں میرے جیسا مسافر منزل سے بے نیاز ہو کر یہ پکار اُٹھتا ہے۔

یہ منزل سے کہہ دو مجھے اب نہ ڈھونڈے
مری رہبری خود جنوں کر رہا ہے

اور جیسے مرزا غالب نے یوں بیان کیا ہے۔

مستانہ طے کروں ہوں رہِ وادیٔ خیال
تا بازگشت سے نہ رہے مُدعا مجھے!

لال چند پرارتھی
(وزیر مال و صحت۔ حکومت ہماچل پردیش)

اظہارِ حقیقت

(ڈاکٹر امرت لال عشرت
ایم اے۔ ڈی لٹ)

صوبہ پنجاب روزِ ازل ہی سے مختلف علمی ادبی اور دینی تحریکات کا مرکز رہا ہے۔ تیزی سے بدلتے ہوئے سیاسی ماحول نے یہاں کے رہنے والوں کو ہر قسم کے انقلابات اور تغیرات کا خوگر بنا دیا ہے۔ لیکن اسکا مطلب یہ نہیں ہے کہ پنجابی سہل انداز واقع ہوا ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس نے ہندوستان کے دوسرے علاقوں کے باشندوں کے برعکس اپنے آپ کو ہمیشہ نئے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی ہے۔ وہ لکیر کا فقیر نہیں رہا اور اسکی زندگی رسمی اعمال و عادات میں محدود ہو کر نہیں رہی۔

اُردو کے سلسلہ میں تو یہ بات اور بھی وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ پنجاب نے اکثر و بیشتر ایسی جدت پسندی اور طباعی کا ثبوت پیش کیا ہے کہ ہزار مخالفت کے باوجود آخر کار پورے کاروانِ نظم و نثر کو اہلِ پنجاب کی نکالی ہوئی انہی پگڈنڈیوں کو شاہراہ تسلیم کرنا پڑا ہے۔

حالیؔ اور آزادؔ۔ اقبالؔ اور اخترؔ شیرانی۔ ظفر علی خان اور اثرؔ ضہبائی۔ حفیظ جالندھری اور ہری چند اخترؔ۔ ن م راشد اور میراجی۔ احمد ندیم قاسمی اور قتیل شفائی۔ ساحرؔ اور نریش کمار شادؔ۔ کرپال سنگھ بیدارؔ اور نوبہار صابرؔ عرش صہبائی۔ شباب للت اور آزاد گلاٹی وغیرہ کی فکری جولانیوں اور تنوع پسندیوں کے لئے کسی دوسرے صوبے کی فضا یقیناً کبھی اتنی ساز گار نہیں

ہو سکتی تھی لیکن مقامِ افسوس ہے کہ تقسیمِ پنجاب نے مجموعی حیثیت سے پنجاب کے ادبی ماحول پر بہت ناخوشگوار اثرات چھوڑے ہیں۔ مغربی پنجاب (پاکستان) میں اُردو زبان و ادب کے ارتقا کی رفتار تو کسی حد تک غنیمت ہے لیکن مشرقی پنجاب (ہند) میں سیاسی مصالح اور شخصی اغراض نے اُردو کے حبسِ دم میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

اِس ہُو کے عالم میں اگر کسی گوشے سے کوئی صدائے خوش آیند بلند ہوتی ہے تو اکثر و بیشتر روحانی مسرّت و بالیدگی کا سبب بن جاتی ہے۔ میں شبابؔ للت کا ہم وطن ہوں۔ اور غریب الوطنی میں بھی اکثر اُن کے کلام کی صدائے بازگشت سے محظوظ ہوتا رہتا ہوں۔ اُردو شعر و ادب کی کساد بازاری کے اِس دور میں جس سے پنجاب اِس وقت گزر رہا ہے میں اُنکو کسی مشنری (Missionary) سے کم نہیں سمجھتا۔ ستائش کی تمنّا اور صلے کی پرواہ کے بغیر پنجاب میں اسوقت جو مُٹھی بھر لوگ اُردو ادب کی علمبرداری کر رہے ہیں اُن میں شبابؔ للت کو نمایندہ جماعت کی سی حیثیت حاصل ہے اپنی سرکاری مصروفیات کے ساتھ ساتھ وہ اپنی ادبی مصروفیات سے بھی کبھی غافل نہیں رہے۔ اور ایک مدّت سے مختلف مجموعوں کی شکل میں اپنے ادبی طور پر زندہ ہونے کا عملی ثبوت بہم پہنچاتے رہے ہیں۔

پنجاب نے داغؔ دہلوی کی زبان و بیان کو بنظرِ تحسین دیکھا تھا۔ لیکن اُس ذہنی عیاشی کے خلاف بڑی شدّت سے صدائے احتجاج بلند کی تھی۔ اس نے اُردو شاعری کے دائرہ عمل کو محض معشوق کی ذات اور اُس

کے بدن سے اخذِ لذت تک محدود کر دیا تھا۔ اُنیسویں صدی کے نصف آخر میں جس لاہوری تحریک نے جدید نظم کو جنم دیا تھا اُس سے عام طور پر اُردو کے سبھی اہلِ قلم متاثر ہوئے۔ لیکن خود پنجاب میں جوش ملسیانی صاحب شاگردِ داغ نے نہایت پاکیزہ انداز میں اپنے اُستاد کی صالح لسانی روایات کو برقرار رکھا۔ اور غزل گوئی کے نظم و ضبط کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے عزیزوں کو گذشتہ شاعری کی صحت مند قدروں کی طرف متوجہ کیا۔

شباب للت صاحب علامہ منوّر لکھنوی اور ابوالفصاحت جوش ملسیانی جیسے مقتدر اُستادوں کے زیرِ تربیت رہے ہیں۔ ان کی غزل اگرچہ گذشتہ ماحول سے یکسر الگ نہیں ہے لیکن ذہانت، جدید تعلیم، وسیع مطالعہ، اور شریف النفسی کے تقاضوں نے ان کے اشعار کو ایک امتیازی تاثر اور بہت جاذبیت ضرور بخشی ہے۔

زیرِ نظر مجموعہ "منزل منزل" کو دیکھنے کے بعد قاری کو اس نتیجے پر پہنچنے میں کوئی خاص دِقّت نہ ہوگی کہ پنجاب کے موجودہ شعراء کے مختصر اجتماع میں جن لوگوں کا کلام آئندہ نسل کے ذوقِ سخن کو سنوارنے اور نکھارنے میں مدد دے سکتا ہے۔ اُن میں شباب للت کا نام خصوصی طور پر لیا جا سکتا ہے۔ اگر غزل کا مقصد تہذیب نظری ہے تو کلامِ شباب اِس فرض سے بخوبی عہدہ برآ ہو سکتا ہے۔ شباب للت جیسے شعراء کی موجودگی میں راقم الحروف پنجاب میں اُردو ادب کے مستقبل سے مایوس نہیں۔

امرت لال عشرت
شعبۂ اردو، فارسی و عربی
بنارس ہندو یونیورسٹی۔ بنارس ۵
۲۱ اپریل ۱۹۷۰ء

لئے بڑھ کے منزلوں نے قدم مرے شتاب ہو کر

کہ مرا خلوص دل ہی مرا رہنما رہا ہے

ایک تخلیقی شاعر

(از جناب عرش صہبائی)

سب سے مشکل مرحلہ وہ ہوتا ہے جب ایک مقبول و معروف شاعر کے کلام کے بارے میں اظہارِ خیال کرنا ہو۔ میں آج اسی مرحلہ سے دوچار ہوں۔

آجکل شاعروں کی بہت سی قسمیں ہیں۔ آپ کو اس جملہ پر ہنسی آجائیگی لیکن اردو شاعری کا یہ بہت بڑا المیہ ہے۔ سب سے پہلے ان شاعروں کا درجہ ہے جو خوش گلو ہیں (خواہ وہ کلام کسی اور شاعر سے حاصل کرتے ہوں) وہ محفلوں کی جان ہیں۔ عوام کا مذاق بگاڑنے میں ایسے "لوگوں" کا بہت بڑا حصّہ ہے۔ ہر ادبی محفل میں، مشاعرہ میں ان کی شرکت لازمی ہوتی ہے۔ جب تک ان کی سُریلی آواز سلامت ہے ان کا شاعرانہ وجود سلامت ہے۔ اس کے بعد وہ شاعر آتے ہیں جو اعلےٰ سرکاری عہدوں پر فائز ہیں وہ اپنی رسائی کی وجہ سے خود کو "بڑا شاعر" منوالیتے ہیں۔ اور مشاعروں میں بھی دعوت نامے حاصل کر لیتے ہیں۔ اس "کارِ نیک" کے لئے وہ کسی قسم کی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے۔ تان یہیں پر نہیں ٹوٹتی بلکہ سرکاری سطح پر وہ اعزازات اور خطابات بھی حاصل کر لیتے ہیں۔ تیسری قسم کے

وہ شاعر ہیں جو اخبارات سے منسلک ہیں۔ یہ حضرات ہر فن مولا ہیں کوئی ایسی سرکاری تقریب نہیں ہوتی جہاں یہ حضرات کسی نہ کسی دروازے سے داخل نہ ہوتے ہوں اور کئی حق دار فنکاروں کی حق تلفی کا موجب نہ بنتے ہوں۔ شاعروں کی یہ تینوں قسمیں اردو زبان کے لئے نہایت مہلک ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ شباب للت کا شمار مذکورہ اقسام کے شاعروں میں نہیں ہوتا۔

شباب للت کا نام اردو کے اچھے شاعروں میں بغیر کسی تکلف کے گن جا سکتا ہے۔ اور اس کے شاہد ہیں اُن کے کلام کے مجموعے جو "مضراب" "پتوار" اور "پروائی" کے نام سے شائع ہو کر اہلِ ذوق سے خراجِ تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ حکومتِ پنجاب نے شباب صاحب کو اُن کے مجموعوں پر انعام و اکرام سے بھی نوازا ہے۔ اگرچہ انعام و اکرام کو کلام کے معیاری ہونے کی سند قرار نہیں دیا جا سکتا۔ لیکن شباب صاحب حقیقی معنوں میں انعام و اکرام کے حق دار ہیں۔ اس دور میں بعض نیم سرکاری اور سرکاری اداروں کی طرف سے ایسے مجموعوں پر بھی انعامات دیئے گئے ہیں جو بالکل سطحی ہیں اسکی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔ اس طرح انعامات کی وقعت نفی کے برابر رہ جاتی ہے۔ آپ بھی اس سے اتفاق کریں گے۔

شباب للت فطری شاعر ہیں۔ اگر آپ مجھے ایک لفظ کا اضافہ کرنے کی اجازت دیں تو میں انہیں تخلیقی شاعر کہوں گا۔ ہمارے ہاں ایسے شعرا کی خاصی تعداد ہے جسے تقلیدی کہا جا سکتا ہے۔ شباب للت اچھے

شعر کہتے ہیں۔ ملک کے معیاری رسائل و جرائد میں ان کا کلام شایع ہوتا ہے نقادانِ فن اُن کے بارے میں صحت مند رائے رکھتے ہیں۔

میں شباب صاحب کو گذشتہ کئی برسوں سے جانتا ہوں۔ اُنہوں نے دیکھتے ہی دیکھتے ترقی کے مختلف مدارج طے کئے۔ بلکہ اُردو ادب میں اپنا نام پیدا کیا۔ اور ایک خاص مقام حاصل کیا۔ اس کے لئے اُنھیں کسقدر ریاضت کرنا پڑی یہ مجھ سے پوشیدہ نہیں۔ اس حقیقت کا اعتراف کرنا پڑے گا کہ جس قدر کم عرصہ میں اُنہوں نے مختلف مراحل کو عبور کیا یہ ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔ یہاں یہ شعر دہرانا پڑیگا کہ ~ ایں سعادت بزورِ بازو نیست

تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

تخلیقی شاعر ہونے کی وجہ سے اُنہوں نے ایسے اشعار کہے ہیں جنہیں بجا طور پر اُردو شاعری میں اضافہ کہا جا سکتا ہے۔ اُن کے وہ اشعار کافی تعداد میں ہیں جنہیں مورخ اُردو شاعری کی تاریخ لکھتے وقت نظر انداز نہ کر سکے گا۔ اُن کے اشعار میں نکاتِ فن اور رموزِ شاعری کے علاوہ وہ عظمت بھی موجود ہے جو بہت کم شعرا کے حصے میں آتی ہے۔ اور یہی عظمت اُنہیں اپنے ہمعصر شعرا سے ممتاز کرتی ہے۔ اُن کی زبان نہایت سُلجھی ہوئی ہے۔ وہ فن کا احترام کرنے کے ساتھ ساتھ اُس کا التزام بھی رکھتے ہیں۔ جدید شعرا اُن کے کلام سے رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں۔ اُن کی شاعری میں کسی قسم کا مصنوعی پن اور تصنع نہیں ہے۔ یہ خوبی اُن کے کلام میں اُن کی شخصیت کو کافی اُبھارتی ہے۔ ہمارے نقاد کسی فنکار کی عظمت کو قبول کرنے میں ہچکچاتے ہیں اور اُس کے اعتراف

سے گریز کرتے ہیں۔ یہ زیادتی شباب صاحب کے ساتھ بھی ہوئی ہے ورنہ شباب صاحب نے ایسے اشعار بھی کہے ہیں جن پر بعض شعراء کے کلام کے مجموعے قربان کئے جاسکتے ہیں۔ میں اپنے بیان کی دلیل میں اُن کا یہ شعر پیش کروں گا

ایک گہری خامشی ہے شورِ طوفاں کا جواب
اے دلِ ناکام! عالی ظرفیٔ ساحل کو دیکھ

میری رائے میں شعر کی عظمت اور کیفیت کو محسوس کیا جاسکتا ہے بیان نہیں کیا جاسکتا۔ اِس شعر میں جو عظمت اور کیفیت ہے وہ دائرۂ تعریف سے باہر ہے ایسے اشعار شاعر کو حیاتِ جاوداں بخشتے ہیں۔ اگر میں اپنے دِل کی بات کہوں تو مجھے اِس شعر پر رشک آتا ہے۔ شباب صاحب کے مجموعوں میں ایسے کئی اشعار مل جائیں گے۔

بعض لوگوں کے نزدیک (ان لوگوں میں جدید شعراء کو گنا جاسکتا ہے) شاعری صرف اظہارِ خیال ہے۔ وہ حُسنِ زباں، اسلوبِ بیاں، الفاظ کی مناسبت نشست اور فنّی نکات کو کوئی وقعت نہیں دیتے۔ حق بات تو یہ ہے کہ یہ باتیں اُن کے بس کی نہیں۔ اسے عجزِ طبع کی دلیل بھی کہا جاسکتا ہے۔ لیکن شہرت کا چسکا ہے کہ وہ دن رات شعر کہنے پر بضد ہیں۔ اور خوش قسمتی سے ملک میں دو چار ایسے جریدے بھی ہیں جن میں بے معنی اور لغو کلام نئی شاعری کے نام سے شایع ہوتا رہتا ہے۔ ایسے جریدوں کے مدیر اُردو زبان سے پورا پورا انتقام لے رہے ہیں۔ شعر میں نیا خیال لانا یقیناً اُردو شاعری میں اضافہ کے مترادف ہے لیکن وہ خیال اس اسلوب کے ساتھ بیان ہو کہ نشتر کی صورت دِل میں اتر جائے

اگر ایسا ہو سکے تو وہ شاعری جدید شاعری کہلانے کی مستحق ہے۔ اور شباب صاحب کا کلام اسکی عمدہ مثال ہے۔ حقیقت کی عکاسی شاعر کا ایک اہم فریضہ ہے مجموعی طور پر ملک کے فنکاروں کی عکاسی شباب صاحب کس حقیقت پسندانہ اور خوبصورت پیرائے میں کرتے ہیں۔

جب نظر آیا کوئی پژمردہ پھول
ہند کے اہلِ قلم یاد آ گئے

آپ نے نہ دیا حریف کبھی غیرتِ فن پر۔ ہم اہلِ قلم لاکھ پریشان رہے ہیں

یہ مقطع بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

بچا لے ڈوبنے والے کو یہ جذبہ کہاں اس میں
شباب اس دور کا انساں ہے ساحل کا تماشائی

ابن الوقت کی نقاب کشائی کا منظر دیکھئے۔

جو کل میری ہر بات پر معترض تھے
وہ بن کر مرے ہم زباں آ گئے ہیں

شباب صاحب کی غزلوں میں بیشتر ایسے اشعار ہیں جو قابلِ توجہ ہیں انھوں نے شعر "برائے شعر گفتن" نہیں کہے۔ بلکہ محسوس کرکے کہے ہیں۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ شباب للت غزل کے شاعر ہیں اور بعض اس بات پر اتفاق کرتے ہیں کہ وہ نظم کے میدان کے شہسوار ہیں لیکن حق بات یہ ہے کہ اچھا شاعر کسی صنفِ سخن میں طبع آزمائی کرے اسکی انفرادیت قایم رہتی ہے۔ ہر صنف میں وہ تمام محاسن موجود ہوتے ہیں جو اس کی شاعری میں نمایاں ہوتے ہیں۔ اور یہی خوبی شباب

صاحب کے کلام میں پائی جاتی ہے۔

"مضراب" میں ایسی بہت سی نظمیں ہیں جنہیں پڑھکر دل رو اٹھتا ہے اور انسان کے جذبات قابو سے باہر ہو جاتے ہیں۔ "پتوار" کے مطالعہ سے یہ یقین پختہ ہو جاتا ہے کہ شباب صاحب کا فن روبہ ترقی ہے۔ اور وہ منزلوں کو پھلانگتے ہوئے آگے بڑھ رہے ہیں۔ "پروائی" کی اشاعت سے اُن کی شہرت اور مقبولیت میں اور اضافہ ہوا ہے۔ "پروائی" میں "کودھبی" (نظم) قاری کی خاص توجہ کا مرکز بن جاتی ہے یہ نظم ادہام پرستی پر ایک گہرا طنز ہے۔ شباب صاحب جب غزل کہتے ہیں تو غزل میں اُن کے فن کی معراج اور ہوتی ہے۔ دیکھئے کتنی نازک بات کو کس طرح ادا کرتے ہیں:-

غرورِ حسن پر حالت جو گزری دیکھتا کوئی
نظر نیچی کئے جب ہم گزر آئے مقابل سے

رنگِ تغزل، پاکیزگیٔ خیال، اسلوبِ بیاں غرضیکہ کس کس بات کی تعریف کی جائے۔ ایسے اشعار ایک بالغ نظر شاعر ہی کہہ سکتا ہے۔ اگر شباب صاحب کے شائع شدہ مجموعوں کا جائزہ لینا ہو تو اُسکے لئے وقت درکار ہوگا۔ اُن کا نیا مجموعہ "منزل منزل" آپ کے سامنے ہے یہ مجموعہ قدم قدم پر قاری کو چونکا دیتا ہے۔ اس میں سب سے پہلے شعر پر ہی نظر رُک جاتی ہے ؎

منزل پر آ گئے ہیں تو اب اس سے کیا غرض
رہبر نے کیا سلوک کیا ہم سے راہ میں

شاعر کے ذہن کی پختگی، اُس کے سوچنے کا انداز اور حوصلہ کسقدر داد طلب ہے۔

شعر کو پڑھنے کے بعد نظر کے سامنے ایک دور گھوم جاتا ہے۔ موجودہ دور پر شعر کس قدر پورا اترتا ہے ؎ جب کارواں لُٹا تو کھلا ہم پہ ماجرا

سمجھے تھے راہبر جنہیں ہم، راہبر نہ تھے

آج کی گندی سیاست کو کس موثر طریقے سے بیان کیا ہے۔ اس بات پر ایمان لانا پڑتا ہے کہ اس دور میں راہبری صرف خود غرضی اور فرقہ داری و تنگ نظری کو بھڑکانے تک محدود ہو کر رہ گئی ہے۔ شباب صاحب شعر میں صرف طنز ہی سے کام نہیں لیتے بلکہ افادیت بھی اُن کے کلام کی جان ہے۔ اُن کے شعور کی گہرائی کا اندازہ اس شعر سے ہوتا ہے۔

ملتا ہے مدتوں کے عمل سے کوئی مقام

لعل و گہر ازل سے تو لعل و گہر نہ تھے

زندگی کے ہر شعبے میں ریاضت کی ضرورت ہے۔ یہ بات مندرجہ بالا شعر میں کس انداز کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔

آج کل کے رہبروں کی رہبری کا انوکھا اعجاز دیکھئے۔

رہبروں کی رہبری کا یہ بھی اک اعجاز ہے

پہلے نظروں میں تھی اب روپوش منزل ہو گئی

یہ بھی اک اعجاز ہے۔ یہ نکتہ شعر کی جان ہے۔ اس سے رہبروں کا کردار کس قدر نمایاں ہوتا ہے۔ خاص طور سے اس دور کے رہبروں کی تعریف اس سے زیادہ واضح کیونکر ہو سکتی ہے، جو تنگ نظری اور تعصب کے نعروں سے ملک کی تقسیم در تقسیم کے درپے ہیں۔ اور اُن کی دور اندیشی سے کوری بہت پہلے ہی کٹی گئی کھلا چکی ہے۔

زیرِ نظر مجموعہ ہی سے "مشتِ از خروارے" کے طور پر چند شعر پیش کرتا ہوں۔ پڑھیے اور داد دیجیے —

بیچارہ محبت کا اب اللہ نگہبان
احباب نے مانگی ہے دعا اور طرح کی

اے قافلے والو ذرا ہشیار کہ باتیں
کرنے لگے اب راہ نما اور طرح کی

ہر چند کہ اس میں نہیں مذکور ہمارا
ہم آپ کی روداد کا عنوان رہے ہیں

نہ رہنے پائے گی خالی چمن میں ایک بھی ڈالی
ہمارے ہاتھ میں جس دن چمن کا انتظام آیا

چھین لی ہیں آپ نے نیندیں مری
اس شکایت کی اجازت دیجیے

مسلسل انتظارِ جام سے جی بھر گیا آخر
تمنا مر گئی پینے کی جب ہاتھوں میں جام آیا

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے شباب صاحب کو غزل کے علاوہ نظم پر بھی دسترس حاصل ہے۔ ان کے کلام کے پہلے مجموعوں میں سے اکثر و بیشتر نظمیں مقبول ہو چکی ہیں۔ اس مجموعہ میں بھی بہت سی ایسی نظمیں ہیں جن میں تلخی و شیرینی کا امتزاج پایا جاتا ہے۔

"دستک" ایک مختصر اور خوبصورت نظم ہے۔ اگرچہ نظم میں قافیہ ردیف کی بندش نہیں اس کے باوجود اس میں ایک خاص قسم کا تاثر ہے۔ موجودہ حالات میں "موڑ" کی اہمیت کو کسی طرح بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ "استقبال" کا رومان انگیز اور حیات پرور ماحول ذہن کو ایک تازگی بخشتا ہے۔ "وہ ترے خطوط" "بوکہ" "ناتواں پھول" فنکار نے اپنے فنکارانہ انداز سے ان میں ایسا سحر پھونک دیا ہے کہ قلم چوم لینے کو جی چاہتا ہے۔ "ناتواں پھول" کی افادیت سے کون کافر انکار کر سکے گا۔ اس نظم کی افادیت کے علاوہ معاشرے پر جو گہری چوٹ کی گئی ہے وہ یقیناً ضربِ کاری ہے

کم نہیں۔ "طمانچہ" ایک ایسے افسوسناک سانحہ کی طرف توجہ دلاتا ہے جس کے باعث پوری قوم شرمندگی سے سر جھکائے رہے گی۔ اور چند سیاست دانوں کی وجہ سے ہمارا ضمیر ہمیں کوستا رہے گا۔ "آنسوؤں کا سوداگر" بھی اپنی نوعیت کی واحد نظم ہے "چند نغمے، چند نالے" میں تمام قطعات قابلِ تعریف ہیں۔ شباب صاحب کی شاعری میں دوسری خوبیوں کے علاوہ عظمت کا احساس ہوتا ہے۔ ملک میں ایسے شعراء کے نام انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں جن کے کلام میں عظمت ہے میں شباب صاحب کو مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ انہوں نے شاعری کی ایک نئی منزل میں قدم رکھا ہے۔ دعا گو ہوں کہ وہ دن دگنی رات چوگنی ترقی کریں۔ قارئین ان کا کلام پڑھنے کے لئے بے تاب ہوں گے۔ اس لئے میں اب اور زیادہ دیر تک درمیان میں حائل نہ رہوں گا۔

عرش صہبائی

۲۰ مارچ ۱۹۷۰ء

۱۴۵ ۔ صہبائی سٹریٹ
کچی چھاؤنی ۔ جموں

نبضِ محفل دیکھنے والوں کے نام

(مصنف)

اُردو شاعری کی روایات سے استفادہ کرنے اور اچھی روایات کی تقلید کرنے کا التزام اُٹھانے میں مجھے اب بھی دلی مسرت محسوس ہوتی ہے جبکہ میرا چوتھا شعری مجموعہ "منزل منزل" قارئین کے ہاتھوں میں باریابی کا شرف حاصل کر رہا ہے۔ آج کا دور وہ دور ہے جب بقولِ قیس جالندھری

شاعری فن سے خرافات تک آپہنچی ہے
دیکھیے اب یہ خرافات کہاں تک پہنچے!

اس دور میں روایات شکنی کے جنون میں نام نہاد جدید شعراء ماضی کی اچھی اور صالح اقدار کو بھی تحس نحس کرنے کے لئے تا حدِ امکان کوشاں ہیں اور بزعمِ خود اس طرح زبان اور فن کی نوک پلک سنوارنے اور اسے تازہ خون دیکر جِلانے کا "مقدس فریضہ" سرانجام دے رہے ہیں۔ یہ دور "منزل منزل" جیسے شعری مجموعے کو برداشت کر سکے گا یا نہیں، یہ میرے قارئین کرام کے ذوقِ سلیم

اور پسند و ناپسند پر چھوڑتا ہوں۔ بہرحال اپنا عقیدہ بدستور یہی ہے کہ

کھٹکا نہ دیں کہیں ہمیں جدت پسندیاں

ہم اے شباب ترکِ روایات کیوں کریں

اردو زبان اور ادب پر ایک عجیب وقت پڑا ہے۔ کسمپرسی اور نفسانفسی کے اس دور میں اگر مجھ جیسا ایک معمولی شاعر یکے بعد دیگرے اپنے دیوان شائع کرنے کی حماقت کرے تو اسے محض گراں جانی اور ڈھٹائی ہی کہا جا سکتا ہے۔ اردو ادب کی ناقدرشناسی کا جو عالم ہے وہ تمام شائقینِ اردو کے روبرو ہے۔ پھر بھی اسے میری سادہ لوحی یا مصلحت ناندیشی سمجھئے کہ میں اپنی اردو تخلیقات کا ایک اور مجموعہ منظرِ عام پر لانے کی جرأت کر رہا ہوں۔ کہ دل کی آواز دبائی نہیں جا سکتی۔ اور وقت کے تقاضوں اور زندگی کی پسندیدہ و صحت مند قدروں سے قارئین کو روشناس کرانا شاعر پر فرض ہے۔ ایسے میں جنابِ احسان دانش کے چند اشعار بے اختیار یاد آئے جاتے ہیں۔

ہے غنیمت کہ سسکتے ہیں ابھی چند چراغ

بند ہوتے ہوئے بازار سے کیا چاہتے ہو؟

ہے مری وقت کے خاموش تقاضوں پہ نظر

اِس سے بڑھ کر مرے اشعار سے کیا چاہتے ہو؟

میرے افلاس نے کھائی نہیں دولت سے شکست

اور اِس ملک کے فنکار سے کیا چاہتے ہو؟

لہٰذا میری تخلیقات نام نہاد "جدیدیت" اور جہل گوئی کے معیار پر شاید ہی پوری نہ اُتریں، اِن میں وقت کے خاموش اور واضح تقاضے اور جدید اقدار کی عظمت آپ کو ضرور ملے گی۔

اس مجموعہ کی ترتیب و اشاعت کے مختلف مراحل میں جناب عرشؔ صہبائی۔ جناب پورن چند آتمؔ گورداسپوری، حکیم منظور۔ جناب خمارؔ جالندھری، جناب منموہن شرما امرتسری اور جناب آر۔ ایل سبھروال ڈسٹرکٹ ماس ایجوکیشن اینڈ انفارمیشن آفیسر گورداسپور نے میرا ہاتھ بٹایا ہے۔ اس لئے میں اِن سب دوستوں کا تہِ دل سے شکر گزار ہوں۔ آنریبل جناب لال چند پرارتھی وزیر مال و صحت ہماچل پردیش گورنمنٹ، نامور نقاد اور ادیب ڈاکٹر امرت لال صاحب عشرتؔ (شعبۂ اردو، فارسی و عربی بنارس یونیورسٹی) اور فخرِ کشمیر جناب عرشؔ صہبائی نے اپنے نظر افروز اور فکر انگیز دیباچوں کے ذریعے مجھ خاکسار کے کلام و مقام پر اظہارِ خیال فرمایا ہے۔ دراصل یہ اِنہی مہربان رفیقوں کی ہمت افزائی کا نتیجہ ہے کہ مجھے یہ چوتھا شعری مجموعہ قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی جرأت ہوئی ہے۔ اِن احباب کی خدمت میں بس یہی عرض کروں گا بقول آذرؔ۔ کہ

آپ ہی نے تو بنایا ہے اِسے حضرتِ دل
آپ اتنا نہ بنائیں تو یہ اِتنا نہ بنے

مقام:۔ ڈلہوزی
۱۴ / جون ۱۹۷۰ء

شبابؔ للت

لوگ کہتے ہیں

کلامِ شباب پر ممتاز اور صاحبِ نظر اہلِ قلم کی آرا میں سے اقتباس

عالی جناب ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب مرحوم، صدر جمہوریہ ہند

میں نے مجموعہ جستہ جستہ پڑھا اور تقریباً سب ہی پڑھ لیا۔ مجھے کلامِ شاد پسند آیا۔ ایسا لگا کہ کسی نے پرانے شیشہ میں نئی شراب بھرنے کا اہتمام کیا ہو۔

ڈاکٹر محی الدین قادری زور (مرحوم) صدر شعبۂ اردو و فارسی کشمیر یونیورسٹی

میں آپ کے کلام سے بہت متاثر ہوا ہوں خاص کر آپ نے جو نظمیں کہی ہیں وہ واقعی درد و اثر اور خلوص و محبت سے معمور اور سچی شاعری کا بہترین نمونہ ہیں اور ان کو پڑھ کر مجھے آپ کی شخصیت اور خلوص کا گرویدہ ہونا پڑا۔

ڈاکٹر گیان چند جین، صدر شعبہ اردو جموں یونیورسٹی

ان کا مجموعۂ کلام "پتوار" نظر سے گزرا۔ شروع میں ہی ایک شعر نے

متوجہ کر لیا ہے جب نظر آیا کوئی پژمردہ پھول
ہند کے اہلِ قلم یاد آ گئے

مزید مطالعے سے معلوم ہوا کہ ان کی غزلوں میں سے انتخاب کیا جائے تو چونکا دینے والے متغزلانہ شعروں کی اچھی تعداد نکل آئیگی۔ وہ جنہیں کم یاب جیسے خلوص کہتے ہیں شباب کے کلام میں بہتات سے ہے۔ دو چار ہی نظمیں ایسی ہوں گی جو فرمائشی ہوں ورنہ زیادہ تر ذاتی تجربے اور احساسات کی اکساہٹ کا نتیجہ معلوم ہوتی ہیں۔ ان کے بعض نقادوں کی رائے ہے کہ ان کی نظمیں غزلوں سے زیادہ بلند ہیں۔ لیکن مجھے مقابلتاً ان کی غزلوں نے زیادہ متاثر کیا۔

علامہ بشیشور پرشاد صاحب منور لکھنوی (مرحوم)

شباب اگرچہ مروجہ معنوں میں ترقی پسند نہیں تو ان کا شمار رجعت پسندوں میں بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ان کی ترقی پسندی نعرے بازی میں یقین نہیں رکھتی۔ وہ جو کچھ کہتے ہیں اس میں افادی اور تعمیری پہلو مدِنظر ہوتا ہے اگرچہ شباب کو کسی خاص مدرسۂ شعر سے وابستہ نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن وہ بھی بیشتر اسی روش پر گامزن نظر آتے ہیں جس کا آغاز درگا سہائے سرور اور اقبال کے زمانہ سے ہوا تھا۔ سرور کی طرح وہ جس موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں اس میں دریا کی سی روانی ہوتی ہے۔

شباب بھی انقلاب پسندی میں یقین رکھتے ہیں لیکن ان کے اندازِ بیان

ہیں تلخی نہیں ہوتی - بعض مقامات پر وہی بات شریش کمار شاد کہتے ہیں اور وہی شباب - لیکن شباب کے لہجے میں نسبتاً زیادہ شیرینی ہوتی ہے وہ جذبات کے شاعر ہیں فلسفیانہ تفکر کے نہیں - اور نہ ہی ان کے کلام میں سیاسی پٹ ہوتی ہے - اور اگر ہوتی بھی ہے تو اس کا انداز ایمائی اور اشاراتی ہوتا ہے - شباب کے دل پر جب کوئی چوٹ لگتی ہے تو وہ شدید بے تابی کے ساتھ اس کا اظہار کر دیتے ہیں - اور اپنے جذبات میں قاری کو بھی شریک کر لیتے ہیں -

حضرت ابو الفصاحت جناب جوش ملسیانی

شباب نظم اور غزل دونوں اصناف میں عالم شباب کی رعنائیاں اور جواں فکری کی زیبائیاں پیش کرنے میں حسن سخن کی بہترین تصویروں کی پیکر تراشی کر سکتے ہیں - ان کی طبیعت بہت شگفتہ اور بہار ایجاد کہی جا سکتی ہے -

پروفیسر تلوک چند صاحب محروم آنجہانی

پختگی، جوش، خلوص جذبات، جدتِ بیان اور تاثیر (Pathos) جو شاعری کی جان ہیں کلام شباب میں بدرجہ اتم موجود ہیں - آورد اور مبالغہ کا کہیں نام نہیں - یہی صورت غزلیات کی ہے اُن میں بھی وہی جوش اور خلوص کارفرما ہے جو نظموں میں - رسمی شاعری اور قافیہ پیمائی

سے پرہیز کیا گیا ہے۔ سادہ الفاظ میں کتنی بلاغت ہے۔

لسان الاعجاز راج کوی پنڈت میلا رام صاحب وفاؔ

شبابؔ کے اشعار اصولِ فن کی پابندی کے علاوہ زبان کی صفائی اور اندازِ بیان کی سادگی و روانی کے آئینہ دار ہیں۔ شباب صاحب جو کچھ کہنا چاہتے ہیں اُسے موزوں اور مترنم الفاظ میں کہنے پر قادر معلوم ہوتے ہیں۔ ان کی غزلیں غزل کے مزاج سے ان کی گہری واقفیت کا مُنہ بولتا ثبوت ہیں۔ نظمیں بھی خوب ہیں اور اُن کی قادر الکلامی پر دال۔ جو نظمیں میری نظر سے گزری ہیں ان سے اس خیال کی تردید ہوتی ہے کہ غزل گو شعرا میدانِ نظم کے شہسوار نہیں ہوتے۔

غزلیات

میں شباب و حسن کے درد و غم کا محرم ہوں
دعویٰ سخن کب ہے مجھ کو چاند تاروں سے



خلوصِ بے کراں میرا بالآخر سب کے کام آیا
عجب کیا ہے جو اُس کافر کے لب پہ میرا نام آیا

پرستش کا محل آیا، عبادت کا مقام آیا
ادب اے دل! کہ پھر اُس جانِ محبوبی کا نام آیا

مری تکمیلِ رندی میں اک ایسا بھی مقام آیا
"اُٹھایا میں نے جب ساغر فرشتوں کا سلام آیا"

نہ رہنے پائے گی خالی چمن میں ایک بھی ڈالی
ہمارے ہاتھ میں جس دن چمن کا انتظام آیا

زمانہ غور سے سُننے لگا تب داستاں میری
جب اے جانِ وفا! اِس داستاں میں تیرا نام آیا

غلط بخشی کا ہم تجھ کو چکھاتے ہیں مزا ساقی
سنبھل جا اب کہ میخانے میں دورِ انتقام آیا

ہم اُس محفل میں دم سادھے ہوئے گوشہ گزیں رہتے
مگر ایسے میں کچھ بے باک نظروں کا پیام آیا

ستم اپنے اچانک آپ کو یاد آ گئے شاید
نگاہیں جھک گئیں کیوں آپ کی جب میرا نام آیا

لہو سے اپنے جن لوگوں نے تاریخِ وفا لکھی
تعجّب ہے نہ تاریخِ وفا میں اُن کا نام آیا

مسلسل انتظارِ جام سے جی بھر گیا آخر
تمنّا مر گئی پینے کی جب ہاتھوں میں جام آیا

گلستاں میں بہاریں آ گئیں میری شہادت سے
یہ کیا کم ہے لہو میرا چمن والوں کے کام آیا

مکمّل زندگی بے چارگی میں کٹ گئی اپنی
بلا سے اب جو دُنیا کو خیالِ احترام آیا

وہ رنگینی کہاں میرے سخن میں جب سے تم بچھڑے
نہ وہ اندازِ فکر آیا نہ وہ حُسنِ کلام آیا

مسلّط ہو گئیں دِل پر حسیں یادوں کی خوشبوئیں
اچانک جب کسی دیرینہ ہمدم کا سلام آیا

بہت مشکل تھا اظہارِ محبّت روبرو اُن کے
زباں تک رُکتے رُکتے ایک حرفِ ناتمام آیا

شباب اپنے لہو سے کتنے بوٹے میں نے پالے تھے
مصائب کی کڑکتی دھوپ میں اِک بھی نہ کام آیا



پُر کیف اِسقدر مرے شام و سحر نہ تھے
جب تک حضور مرکزِ فکر و نظر نہ تھے

رنگینیٔ حیات سے ہم باخبر نہ تھے
جب تک تری نگاہ سے ہم بہرہ ور نہ تھے

وہ محفلِ نیاز میں کب جلوہ گر نہ تھے
دِل سے قریب تھے جو قریبِ نظر نہ تھے

اندازِ لطف اُن کے کبھی معتبر نہ تھے
ہر چند مہرباں تھے وہ ہم پر مگر نہ تھے

جب کارواں لُٹا تو کھُلا ہم پہ ماجرا
سمجھے تھے راہبر جنہیں ہم، راہبر نہ تھے

ہم پر جفائیں کیں جو پسِ پردہ آپ نے
ہم اُن سے بے خبر تھے مگر اِسقدر نہ تھے

آئے ہو میرے گھر پہ تو یہ لطفِ خاص ہے
ورنہ تمہاری راہ میں کیا اَور گھر نہ تھے؟

منزل سے ہمکنار ہوئے کب وہ راستے
جن راستوں پہ آپ مرے ہمسفر نہ تھے

ملتا ہے مدتوں کے عمل سے کوئی مقام
لعل و گہر ازل سے تو لعل و گہر نہ تھے

اللہ کتنا فرق طبیعت میں آ گیا
جانِ صبا! ہم اتنے تو بیدادگر نہ تھے

گزرا تو تھا اِدھر سے تمہارا جلوسِ ناز
ہم ہی بپئے سلام مگر رہگزر نہ تھے

اللہ رے جذبِ شوق کا عالم شباب میں
دیوار و در مرے لئے دیوار و در نہ تھے

ہر آن زندگی کا بدلتا رہا مزاج
ظالم کے رنگ ڈھنگ کبھی معتبر نہ تھے

تھی فکر و فن کی دولتِ بیدار اپنے پاس
ہم لوگ زندگی میں اگر اہلِ زر نہ تھے

دنیا نے کی نہ قدر تو یہ اور بات ہے
ورنہ شباب اتنے تو ہم بے ہنر نہ تھے

○

ہونے لگی محفل کی فضا اور طرح کی
اب چھیڑ مغنی تو نوا اور طرح کی

ہے میرے مقدر میں قضا اور طرح کی
وہ چاہتے ہیں مجھ سے وفا اور طرح کی

کیوں درد کے ماروں کو نہ آئے یہ موافق
میخانے کی ہے اب کے ہوا اور طرح کی

ہاں عشق کی رنگین خطا ہم نے بھی کی ہے
پائی ہے مگر ہم نے سزا اور طرح کی

اے قافلے والو ذرا ہشیار کہ باتیں
کرنے لگے اب راہنما اور طرح کی

بیمارِ محبت کا اب اللہ نگہباں
احباب نے مانگی ہے دعا اور طرح کی

گُل کوئی کھلایا نہ ہو پھر برق و شرر نے
آئی ہے گلستاں سے ہوا اور طرح کی

غیروں کی جفائیں بھی تھا کچھ پاسِ مروّت
اپنوں نے مگر کی ہے جفا اور طرح کی

ساقی یہ کہیں تشنہ لبوں کی نہ ہوں آہیں
میخانے پہ چھائی ہے گھٹا اور طرح کی

محلوں کے مکیں آج بھی ہیں اور ہوائیں
لیکن ہے زمانے کی ہوا اور طرح کی

ناگاہ گُل و غنچہ کے فق ہو گئے چہرے
لائی ہے خبر بادِ صبا اور طرح کی

محفل میں شباب آج نہیں گرمیِ محفل
محفل میں غزل آج سُنا اور طرح کی



ہم کو انجام کی ہے ابھی سے خبر، آرزو کے نشے سب اُتر جائیں گے
لوگ ہوں گے ہم آغوشِ منزل مگر، ہم انہیں رہگزاروں میں مر جائیں گے
ظلم کی آندھیاں شوق سے لاؤ تم وہ کوئی اور ہوں گے جو ڈر جائیں گے
چند تنکے ہی میرے نشیمن کے ہیں، کیا ہوا جو یہ تنکے بکھر جائیں گے
جن پہ سایہ تمہاری نگاہوں کا ہے وہ کڑے مرحلوں سے گزر جائیں گے
منزلیں بڑھ کے چومیں گی اُنکے قدم جو تمہاری نظر چوم کر جائیں گے
حُسنِ معصوم سے جب ملی تھی نظر، کس کو معلوم تھا اے دِلِ بے خبر
اِس ذرا سی جسارت کی پاداش میں سانحے ہم پہ کیا کیا گزر جائیں گے
چھیڑ کر یوں نہ دِل پر ستم توڑیئے اب مرے حال ہی پر مجھے چھوڑیئے
دیکھئے آپ کے دامنِ ناز پر میرے اشکوں کے موتی بکھر جائیں گے

دوستوں کی جفاؤں کے ہم صیدہیں، رنج و غم کے جزیرے میں ہم قید ہیں
دشمنوں نے اگر کچھ توجہ نہ کی، ایک دن ہم یونہی گھٹ کے مر جائیں گے

جسکو پڑھ کر بنے گا جہاں دیدہ ور، خواب سے جاگ اٹھے گا ضمیر بشر
خونِ دل سے کتاب زمانہ میں ہم داستاں ایسی تحریر کر جائیں گے

کل زمانے سے وابستگی توڑ کر آئے تھے آپ کے ہم در ناز پر
آپ بھی اپنے در سے اٹھانے لگے، ہم نصیبوں جلے اب کدھر جائیں گے

چارہ سازی کے پردے میں اے دوستو! تم نے حالات کو اور الجھا دیا
اب مجھے چھوڑ دو میرے حالات پر، میرے حالات خود ہی سنور جائیں گے

میں نے تو اک فقط چھیڑنے کیلئے بات چھیڑی تھی ترکِ ملاقات کی
مجھ کو اے جانِ اخلاص کیا تھی خبر، تیری آنکھوں کے پیمانے بھر جائیں گے

ہر طرف کچھ اشارے سے ہوتے رہے، کوئی مفہوم جن کا نہ ہم پا سکے
آپ کی بزم رنگیں میں ہم سادہ دل بے خبر آئے تھے بے خبر جائیں گے

دل میں نشتر سے چبھتے ہیں شام و سحر درد سے بن گئی ہے مری جان پر
مسکرا کر ادھر دیکھ لو اک نظر میرے دل کے سبھی زخم بھر جائیں گے

تم نے چہرے سے گھونگھٹ اٹھایا تو یہ رنگ و نور اک فضاؤں پہ چھایا تو ہے
اب یہ گھونگھٹ گرا لو خدا کیلئے، چاند تاروں کے چہرے اتر جائیں گے

تم نے طوق و سلاسل جو ہم کو دیئے پیش کرتے ہیں اب ہم تمہارے لئے
آج وہ دن ہے جب اپنے ہی دام میں آپ گھُٹ گھُٹ کے صیاد مر جائیں گے

بات دل کی بھری بزم میں بول کر یوں تمہاری وفا کا بھرم کھول کر
بندہ پرور رہا میں خوب معلوم تھا ہم تمہاری نظر سے اُتر جائیں گے

جام میں بادۂ ناب کو ڈالیئے، یاس کی گرد کو دل سے دھو ڈالیئے
ذہن و دل کی لطافت نکھر جائیگی، روح کے داغ سارے اُتر جائیں گے

آیئے سامنے ہی وہ مے خانہ ہے، آج موسم بھی رنگین و مستانہ ہے
چل کے بیٹھیں گھڑی بھر شباب اُس جگہ چند لمحے خوشی سے گزر جائیں گے



بندگی دِل کی مجازی ہو گی
روح جب تک نہ نمازی ہو گی

لوگ پت جھڑ کو بھی کہتے ہیں بہار
کِس کی یہ شعبدہ بازی ہو گی

وجہِ بربادیٔ محفل ساقی!
تیری نا اہل نوازی ہو گی

چند روز اور ٹھہر اے دلِ زار!
مات حالات کی بازی ہو گی

رہبری کیا ہے تمہیں کیا معلوم
تم سے کیا قافلہ سازی ہو گی

شوق سے کیجئے مجھکو برباد
آپ کی بندہ نوازی ہو گی

لاکھ قدرت سے ہو پیکارِ طلب
مات انسان کی بازی ہو گی

ہم بھی اب تاک میں ہیں اے گلچیں!
کب تری دست درازی ہو گی

اپنے حصے کا نہ دو جام مجھے
یہ بھی اِک خویش نوازی ہو گی

حسن اب محوِ نظارہ ہو گا
عشق کی عشوہ طرازی ہو گی

خواب تا زیست بنیں گے ہم لوگ
عمر بھر آئینہ سازی ہو گی

یوں بھری بزم میں اے پیرِ مغاں!
تابہ کے خویش نوازی ہو گی؟

عمر بھر اپنے مقدر میں شباب
ہجر کی روح گدازی ہو گی



جب سے ہوئی ہے تم سے ملاقات راہ میں
چھپتا نہیں زمانہ ہماری نگاہ میں

کانٹے بچھائے لاکھ زمانے نے راہ میں
دیوانے پھر بھی پہنچے تری جلوہ گاہ میں

اک یہ بھی جرم ہے مری فردِ گناہ میں
دو چار دن رہا تھا تمہاری نگاہ میں

تم نے کیا ہے ترکِ تعلق تو کیا کریں
ہم نے کسر اٹھا نہیں رکھی نباہ میں

منزل پہ آ گئے ہیں تو اب اس سے کیا غرض
رہبر نے کیا سلوک کیا ہم سے راہ میں

کام آ گئیں مرے یہ مری خاکساریاں
میں سر فراز ہو کے رہا اس نگاہ میں

اکثر خوشی کی کھوج میں ہم کو ملے ہیں غم
کانٹوں سے زخم کھائے ہیں پھولوں کی چاہ میں

جو تیری انجمن میں رہے جانِ انجمن
کیوں اجنبی ہیں آج وُہ تیری نگاہ میں

زلفوں کی چھاؤں اپنا مقدّر نہ بن سکی
ہم کو مِلی پناہ غمِ بے پناہ میں

مہر و مہ و نجوم کی تنویر بن گئیں
جو تھیں تجلّیاں تری برقِ نگاہ میں

اِس دَورِ نو میں کِس پہ بھروسا کرے کوئی
اب فرق کیا ہے راہبر و غولِ راہ میں

جس کا تم اعتراف زباں سے نہ کر سکے
پڑھ لی وُہ بات ہم نے تمہاری نگاہ میں

سچ بولنے پہ کٹتے ہیں لوگوں کے سر جہاں
اب آ گیا ہوں میں بھی اُسی قتل گاہ میں

پہلی سی رسم و راہ کہاں اُن سے اے شباب
اب تو دُعا سلام بھی ہوتی ہے راہ میں



کیا کام مجھے اہلِ زر و سیم و گہر سے
وابستہ ہے اُمّید مری آپ کے دَر سے

دیوانے تو آئے ہیں کفن باندھ کے سر سے
اب موت اُٹھائے گی انہیں آپ کے دَر سے

جلتے ہیں مرے فن کے جو اعجاز و اثر سے
کہہ دو اُنہیں پالا ہے اِسے خونِ جگر سے

رُک کر کسی مظلوم کی فریاد ہی سُن لیں
اِتنی بھی توقّع نہیں اربابِ اثر سے

شاداب ہو کیونکر مرا گلزارِ تمنّا
بادل ترے الطاف کے اِس پر نہیں برسے

آخر تجھے لے جاؤں کہاں اے دلِ بیتاب!
تسکین ملی تجھ کو نہ گھر سے نہ سفر سے

نااہل تو بھر بھر کے لنڈھاتے رہے ساغر
اِک ہم کہ تری بزم میں دو گھونٹ کو ترسے

دھوبی کا یہ کُتّا ہے رہا گھاٹ نہ گھر کا
زاہد کو ملا کچھ نہ اِدھر سے نہ اُدھر سے

ہر بار اُسے کر گئی دُنیا نظر انداز
اِک بار گرایا ہے جسے تُو نے نظر سے

اُترا نہ کبھی پار محبّت کا سفینہ
ڈوبا ہے یہ ساحل پہ جو نکلا ہے بھنور سے

جو دوست ہو اُسکے لئے ہے جان بھی حاضر
کیا ہم کو غرض دوست کے عیب اور ہنر سے

وہ رعب و رعونت سے نکلتا نہیں ہرگز
جو کام نکلتا ہے محبّت کی نظر سے

ترسایا ہے تُو نے ہمیں اے جانِ تغافل!
جا تُو بھی ہماری ہی طرح پیار کو ترسے

تم اسکو بصد شوق کہو صبحِ تمنّا
شب اچھّی تھی مجھ کو تو شباب آیسی سحر سے



کیا ملا جا کر یہاں اِک دلرُبا کے شہر میں
لُٹ گئے ہم سادہ دِل اُس بیوفا کے شہر میں

اِن حسیں جلووں سے اب منہ موڑنا دشوار ہے
وحشتِ دل کھینچ لائی کس بلا کے شہر میں

گنگناتی ہیں فضائیں رقص کرتی ہے بہار
جھومتی ہے چاندنی اُس مہ لقا کے شہر میں

غم کی پرچھائیں نظر آتی نہیں کوئی وہاں
عشرتِ کونین ہے اُس دلرُبا کے شہر میں

اپنا حق خود چھین سکنے کا نہیں تھا حوصلہ
جا بسے ہم لوگ تسلیم و رضا کے شہر میں

ہیں بکاؤ مال حسن و عشق دونوں ہی وہاں
دِل کی قیمت پوچھیے گا آپ جا کے شہر میں

ایک خود داری ہمارے پاس تھی سو چھین لی
بندہ پرور آپ نے ہم کو بُلا کے شہر میں

اب مرے دِل سے خدایا یاد اُنکی چھین لے
روز و شب گزرے جو اُس جانِ وفا کے شہر میں

تیغ کے آگے یہاں گردن جُھکانا فرض ہے
کس کی چلتی ہے بھلا اہلِ جفا کے شہر میں

زندگی ہے اصل میں اِک خوبصورت فاحشہ
ہم بھی آئے برہنہ اِس بے حیا کے شہر میں

دِل کو راس آیا کچھ ایسا بس وہیں کے ہو رہے
ہم کہ جانِکلے تھے تسلیم و رضا کے شہر میں

جب کبھی فرصت ملے آجایئے جانِ شباب
کچھ دِنوں کے واسطے مجھ بے نوا کے شہر میں



مجھ نامُرادِ زیست کی کایا پلٹ گئے
وہ روز و شب جو تیری رفاقت میں کٹ گئے

سائے غمِ زمانہ کے خود ہی سمٹ گئے
ہم آپ سے ملے تو زمانے سے کٹ گئے

طوفان حادثوں کے رُخ اپنا پلٹ گئے
اہلِ وفا جب اپنے ارادوں پہ ڈٹ گئے

مخلص ہے کون، ہو گا یہ منزل پہ فیصلہ
فی الحال ایک موڑ پہ رہبر تو بٹ گئے

پھوٹی کہیں سے ایک کرن تیری یاد کی
دِل پر اُداسیوں کے جو بادل تھے چھٹ گئے

بادل بہارِ نَو کے تو گھِر آئے تھے مگر
برسے بغیر صحنِ چمن سے پلٹ گئے

کل مدتوں کے بعد ملے تھے وہ خواب میں
اک چیخ بھر کے میرے گلے سے لپٹ گئے

اب تیری دوستی کا بھرم ہم پہ کھل چکا
پردے تمام اپنی نگاہوں سے ہٹ گئے

کیا جانے دفعتاً انہیں کیا یاد آ گیا
دیکھا ہمیں تو شرم کے مارے سمٹ گئے

راضی تری رضا پہ رہا میں تمام عمر
جیسے بھی کٹ گئے مرے دن خوب کٹ گئے

میں سوچتا ہوں کتنے مبارک تھے وہ شباب
تحریرِ حق کے جرم میں جو ہاتھ کٹ گئے



واسطہ نہ پھولوں سے کام کچھ نہ خاروں سے
ہم چمن میں رہ کر بھی دور ہیں بہاروں سے

عنقریب پالیں گے آپ اپنے پیاروں سے
آپ نے کیا جو کچھ ہم وفا شعاروں سے

منزلیں بلاتی ہیں خود انہیں اشاروں سے
ہنس کے جو گزرتے ہیں غم کے خارزاروں سے

قوتِ ارادی سے مانگ ہر مراد اپنی
مانگتا ہے کیا ناداں بخت کے ستاروں سے

جو قرار دیتے تھے آپ کی رفاقت میں
آگ سی برستی ہے اب انہیں نظاروں سے

باغباں دہائی ہے کس کو جا کے دکھلائیں
زخم اہلِ گلشن نے کھائے جو بہاروں سے

دشمنوں کو پھر بھی تھا پاس کچھ مروّت کا
ہم پہ جب بھی آنچ آئی آئی اپنے پیاروں سے

جب وہ لطفِ ہمسفری مجھ کو یاد آتا ہے
میں لپٹ کے روتا ہوں تیری رہگزاروں سے

ذہنِ پاک شاعر کا آنے والے یُگ کی بات
صاف جان لیتا ہے وقت کے اشاروں سے

شورِ صحنِ گلشن میں ہے بہار کا لیکن
خون کیوں ٹپکتا ہے آج شاخساروں سے

تیرے بعد گِن گِن کر دھرتی نے لئے بدلے
تیرے ہی جاں نثاروں کے، تیرے جاں نثاروں سے

میں شباب دھرتی کے درد و غم کا محرم ہوں
دعوئِ سخن کب ہے مجھ کو چاند تاروں سے



کہنے کو مرے حال سے انجان رہے ہیں
ہر حال میں وہ میرے نگہبان رہے ہیں

اِک رات جو ہم آپ کے مہمان رہے ہیں
اِس بات پہ کیوں لوگ بُرا مان رہے ہیں

وہ ہیں کہ مٹانے کی ہمیں ٹھان رہے ہیں
ہم ہیں کہ اُنہیں اپنا خدا مان رہے ہیں

پہلے بھی کہیں تجھ سے ملاقات ہوئی ہے
ہم اے غمِ دوراں تجھے پہچان رہے ہیں

کچھ ہم کو ستم ہائے زمانہ نے مٹایا
کچھ آپ کی نظروں کے بھی احسان رہے ہیں

میخانے کی رونق میں کبھی فرق نہ آیا
وہ تو حرم و دیر ہی ویران رہے ہیں

ہم رازِ دروں پردہ سے پردہ تو اُٹھا دیں
محفل کی ذرا نبض کو پہچان رہے ہیں

سنتا ہوں تغافل سے پریشاں مجھے کر کے
سرکار بھی تا دیر پریشان رہے ہیں

ہر چند کہ اِس میں نہیں مذکور ہمارا
ہم آپ کی روداد کا عنوان رہے ہیں

میں ڈوبنے والا نہ تھا امواجِ بلا سے
پنہاں مری کشتی ہی میں طوفان رہے ہیں

وہ اشک جو اَب ہیں مری پلکوں کا مقدر
ہونٹوں پہ کبھی بن کے وہ مسکان رہے ہیں

پرساں نہیں محفل میں کوئی آج ہمارا
ہم لوگ ہی محفل کی کبھی جان رہے ہیں

آنے نہ دیا حرف کبھی غیرتِ فن پر
ہم اہلِ قلم لاکھ پریشان رہے ہیں

جس دن سے ہلائی ہیں ترے غم سے نگاہیں
کونین کی ہم نبض کو پہچان رہے ہیں!

سیتے رہے فنکار زمانے کے گریباں
گو چاک خود اُن کے بھی گریبان رہے ہیں

شدّت سے کریں گے کبھی آپ اُسکی تمنّا
جس بات پہ اب آپ بُرا مان رہے ہیں

کچھ ٹھیس ضرور اُن کو زمانے سے لگی ہے
وہ آج مجھے جانِ وفا مان رہے ہیں

کیا خوب، وہ نقّاد ہیں اب میرے چلن کے
بدنام بہت جن کے شبستان رہے ہیں

بدلا نہ شباب اپنے مقدّر کا فسانا
گو اس کے بدلتے کئی عنوان رہے ہیں



پیار کے بدلے عداوت دیجیے
جو بھی ممکن ہو وہ زحمت دیجیے

چھین لی ہیں آپ نے نیندیں مری
اِس شکایت کی اجازت دیجیے

آنکھ بھر کر دیکھ تو لوں آپ کو
جانِ من! اتنی تو مہلت دیجیے

کب رضا پوچھی ہماری آپ نے
آپ نے جینے کی زحمت دی، جیے

تاجدارِ دل نے لُوٹا ہے یہ شہر
اب کسے دل کی حکومت دیجیے

جو کیا ہم سے وہ اپنوں نے کیا
کس لیے غیروں کو تہمت دیجیے

یہ محبت ہے، یہ دُنیا ہے حضُور

جس کو جی چاہے فضیلت دیجئے

پھُول کیا دِلکش لگیں گے خار بھی

اِک ذرا نظروں کو وسعت دیجئے

کھا گئی اہلِ چمن کو اپنی پھُوٹ

بجلیوں کو ہی نہ تہمت دیجئے

قدرداں کوئی نہیں اخلاص کا

کیوں زمانے کو یہ دولت دیجئے

کیوں وفا کر کے عبث احباب کو

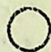
خود پہ ہنسنے کی اجازت دیجئے

کھائیے ہر روز اِک تازہ فریب

اور تاوانِ محبت دیجئے

عرشؔ صہبائی کے ہاں چل کر شباب

ہدیۂ عجز و اِرادت دیجئے



مانوس تو نے کم ہی دیا جام سے مجھے
کہنا ہے آج گردشِ ایام سے مجھے

کیوں رو رہے ہو خود مجھے موجوں میں پھینک کر
اب ڈوبنے دو ساقیو آرام سے مجھے

تم نے کیا مجھے مۓ گلفام سے قریب
رکھا جو دور عارضِ گلفام سے مجھے

ہونٹوں سے اپنے تم نے لگایا تھا جو ابھی
تھوڑی سی بس پلا دو اسی جام سے مجھے

کچھ یوں کیا خراب غمِ روزگار نے
ڈھارس ملی نہ آپ کے پیغام سے مجھے

وہ چھیڑتے ہیں آج مجھے کہہ کے بے وفا
کتنی خوشی ہوئی ہے اِس الزام سے مجھے

غیروں کے پاس رہن کیا اس نے میکدہ
شکوہ یہی ہے ساقیِ بدنام سے مجھے

اُن کو بُری لگی ہے خبر انقلاب کی
راحت ملی ہے وقت کے پیغام سے مجھے

دم بھر تمہاری زلف کے سائے میں بیٹھ لوں
فرصت ملے جو گردشِ ایام سے مجھے

کیفِ خیال، حُسنِ نظر، دولتِ خلوص
کیا کیا ملا ہے اک مئے گلفام سے مجھے

حق بات زیرِ تیغ بھی کہتا ہوں بے دریغ
کیا خوف صاف گوئی کے انجام سے مجھے

اپنی نظر سے آپ نے مجھ کو گرا دیا
پھینکا اُٹھا کے فرش پہ کس بام سے مجھے

میری ہے راہِ خاص الگ سب سے اے شباب
کیا واسطہ سخن میں رہِ عام سے مجھے





منزل سے یہ بھٹکا ہوا رہگیر ہے شاید
آوارگیِ انسان کی تقدیر ہے شاید

ناکامیِ پیہم مری تقدیر ہے شاید
پتھر پہ یہ لکھی ہوئی تحریر ہے شاید

آنکھوں سے ہوئے جاتے ہو تم دور بہت دور
یہ خوابِ ملاقات کی تعبیر ہے شاید

یہ منہ ترا اے شیخ! اِیہ فردوس[1] کے دعوے
فردوس ترے باپ کی جاگیر ہے شاید

عارض کو دھرے ہاتھ پہ کیا سوچ رہے ہو؟
کچھ میرے مٹانے کی ہی تدبیر ہے شاید

کیا دیکھ کے میں نقش بہ دیوار ہوا ہوں
آنکھوں کے مقابل تری تصویر ہے شاید

[1] جنتِ کشمیر

حد ہے مری چپ بھی نہیں ظالم کو گوارا
چپ میں بھی کسی ظلم کی تشہیر ہے شاید

منت سے تو حق اپنا مِلا ہے نہ مِلے گا
اب چارۂ بے چارگی شمشیر ہے شاید

اِک گام بھی چل سکتے نہیں اپنی رضا سے
پیروں میں ہمارے کوئی زنجیر ہے شاید

زردار نے سازش کا جو اِک جال بُنا ہے
نادار کی نظروں میں وہ تقدیر ہے شاید

اب وہ بھی چلا مجھ بھی تو بے درد زمانے
باقی ترے ترکش میں کوئی تیر ہے شاید

سُن کر وہ مرا حال یقیناً چلے آتے
روکے ہوئے حالات کی زنجیر ہے شاید

سو مرتبہ بن بن کے یہ مسمار ہوا ہے
چاہت کا محل ریت کی تعمیر ہے شاید

فطرت میں نہ اخلاص، نہ اخلاق نہ ایماں
تہذیبِ نوی کی یہی تنویر ہے شاید

کیوں خوف سے لرزاں ہیں اندھیروں کے محافظ
اُگنے کو نئی صُبح کی تنویر ہے شاید

خالی ہے صداقت سے ترا وعدۂ رنگیں
اربابِ سیاست کی یہ تقریر ہے شاید

آنکھوں سے لگایا ہے جیسے چُوم کے اُس نے
لگتا ہے وہ میری کوئی تحریر ہے شاید

روئے ہیں شباب آج وہ سُنکر مرے اشعار
اِن میں مرے حالات کی تصویر ہے شاید





شایانِ عشق جو نہ ہو وہ بات کیوں کریں
تم بے وفا ہو تم سے ملاقات کیوں کریں

ذکر اُس جفا شعار کا دن رات کیوں کریں
رُسوا جنونِ شوق کے جذبات کیوں کریں

ہلکی سی اک نگاہ بھی خیرات کیوں کریں
سرکار ہم سے پُرسشِ حالات کیوں کریں

محفل میں اُلٹے سیدھے سوالات کیوں کریں
جو ناگوارِ حسن ہو وہ بات کیوں کریں

ماضی کی رنجشوں کی شکایات کیوں کریں
بے لطف اپنی شامِ ملاقات کیوں کریں

کیوں اُٹھ کے میکدے کا بدل دیں ہم نظام
تلچھٹ کے آسرے بسر اوقات کیوں کریں

حالات کو بدلنے کی ہمت اگر نہیں
ہم لوگ شکوۂ غمِ حالات کیوں کریں

روٹھے تھے جو وہ خود کریں تجدیدِ رسم و راہ
اپنی طرف سے ہم ہی شروعات کیوں کریں

محفل میں جن کو آنکھ ملانے سے ہے گریز
چھُپ چھُپ کے بھی وہ ہم کو اشارات کیوں کریں

تم کو تو رسم و راہ بڑھانے سے عار ہے
ہم ہی پھر التماسِ ملاقات کیوں کریں

کیوں بیچ دیں ٹکوں کے عوض ہم وقارِ فن
دُنیا جو چاہتی ہے وہی بات کیوں کریں

میخانے میں ملیں گے تجھے اے غمِ حیات
ہم اپنے گھر پہ تیری مدارات کیوں کریں

نا اہلیت ہی جب ہو ترقّی کا راستا
اہلِ شعور کسبِ کمالات کیوں کریں

بھٹکا نہ دیں کہیں ہمیں جدّت پسندیاں!
ہم اے شبابؔ ترکِ روایات کیوں کریں

○

کس قدر معصوم تھی تُو کتنی قاتل ہو گئی
زندگی اب تو تری پہچان مشکل ہو گئی

تیری لَے جب سے مرے نغموں میں شامل ہو گئی
انجمن میرے خلوصِ فن کی قائل ہو گئی

چھڑ گئی کیا پھر سلوکِ ساقیِ محفل کی بات ؟
دم زدن میں تیز تر کیوں نبضِ محفل ہو گئی

بزدلوں کے واسطے ساحل بھی طوفاں بن گیا
اہلِ ہمّت کے لئے ہر موج ساحل ہو گئی

بڑھ گئیں جب سے حبیبوں کی کرم فرمائیاں
زندگی کچھ اَور مشکل اور مشکل ہو گئی

تیرے جلووں نے سجا لی اور کوئی انجمن
میری محفل جب ترے جلووں کے قابل ہو گئی

یوں اُلجھ کر رہ گئی زلفِ پریشانِ حیات
زندگی کی زندگی نذرِ مسائل ہو گئی

راہ میں اے ہمسفر تیرے بچھڑ جانے کے بعد
کیا کہوں دشوار کتنی میری منزل ہو گئی

اب نہ چھیڑ اے مطرب محفل یہ نغماتِ کہن
اب ترے نغمات سے بیزار محفل ہو گئی

آپ کا ہر خوابِ رنگیں اک حقیقت بن گیا
میری ہر امیدِ رنگیں نقشِ باطل ہو گئی

آئے دن جب آپ کو ہم بے وفا کہنے لگے
بے وفائی آپ کی فطرت میں شامل ہو گئی

رہبروں کی رہبری کا یہ بھی اک اعجاز ہے
پہلے نظروں میں تھی اب روپوش منزل ہو گئی

بجھ گئیں شمعیں سسک کر رہ گئے چنگ و رباب
آپ کیا اٹھ کر گئے ویران محفل ہو گئی

ہم نے جس جس کا بھی غم بانٹا وہ دشمن ہو گیا
غمگساری خود ہمارے حق میں قاتل ہو گئی

اس نگاہِ مست سے تھی زندگی پانے کی آس
جو نگاہِ مست میرے حق میں قاتل ہو گئی

مائل لطف و کرم وہ تو ہوئے تھے اے شباب
میری غیرت ہی مری خوشیوں کی قاتل ہو گئی



زندگی کچھ اسلئے مغموم ہے
اس کو انجامِ وفا معلوم ہے
آپ جو کچھ ہیں ہمیں معلوم ہے
آپ کی تو شہر بھر میں دھوم ہے

حُسن ہے بے داغ بے شک آپ کا
عشق میرا ابھی بہت معصوم ہے
خود پر اک الزام ہے وہ زندگی
جو تمہارے پیار سے محروم ہے

کیوں ہمارے حال سے ہے بے خبر
حال اِک اِک کا جسے معلوم ہے
میرے آنسو بھی غزل کے شعر ہیں
ان میں دل کی داستان منظوم ہے

آپ کی چشمِ توجّہ کے طفیل
اِک زمانے میں ہماری دھوم ہے

عشق خود چھل بل سکھاتا ہے اسے
حُسن ورنہ فطرتاً معصوم ہے

عمر بھر جلنا فراقِ دوست میں
اپنی قسمت میں یہی مرقوم ہے

کِس لئے رہتا ہوں میں ہر دم اُداس
آپ کو اِس کا سبب معلوم ہے

یا الٰہی وہ ستم گر ہو بخیر
آج دِل کچھ بے طرح مغموم ہے

اپنی ہستی کا بھروسا کیا کریں
جو کبھی پیدا کبھی معدوم ہے

کچھ سبق لو انقلابِ دہر سے
کل کا حاکم آج کا محکوم ہے

اِک مسلسل جہد، پیہم کش مکش
زندگی کا بس یہی مفہوم ہے

جستجو بے سود ہے اخلاص کی
جنس یہ دنیا سے اب معدوم ہے

آپ اب اس پر توجہ دیں نہ دیں
حال میرا آپ کو معلوم ہے

کاش اُن کا دل بھی ایسا ہو شباب
اُن کی صورت تو بڑی معصوم ہے



مانا مری نظر میں مرے دل کا حال ہے
اُس چشمِ شوخ میں بھی تو کوئی سوال ہے

بے وجہ مہرباں جو وہ زہرہ جمال ہے
اس میں ضرور کوئی زمانے کی چال ہے

آئے قریب اب کوئی غم کیا مجال ہے
میں ہوں، شبِ فراق ہے، تیرا خیال ہے

کیوں آپ کا یہ پھول سا چہرہ نڈھال ہے؟
کیا دِل کے آئینے میں کہیں کوئی بال ہے؟

انساں کا خونِ سُرخ تو پینا حلال ہے
لیکن حرام ہے مئے گلگوں، کمال ہے

رکھتی ہے مجھ کو اپنی حفاظت میں صبح و شام
اے بے کسی تجھے مرا کتنا خیال ہے

غیروں کے گلستاں کی بہاریں ہیں مستقل
اپنے چمن کی فصلِ خزاں لازوال ہے

قایم تھی جس اُمید پہ ہستی وہ مٹ چکی
اب اَے دِلِ تباہ! ترا کیا خیال ہے؟

کل توڑ دیں گے آپ مرے دِل کا آئینہ
ہر چند آج اِسکی بڑی دیکھ بھال ہے

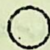
اَے گردشِ زمانہ! یہ ہے میکدہ یہاں
ہم پر اُٹھائے آنکھ یہ کِس کی مجال ہے

شامِل ہے اُس میں کتنے ہی محنت کشوں کا خوُن
رُخ پر جو اہلِ زر کے معطّر گلال ہے!

ہر چند اُن کی طرزِ ستم کا نہیں جواب
صبر اِس نیاز مند کا بھی بے مثال ہے

یہ اور بات ہے کہ توجہ نہ دیں حضور
روشن ہے آپ پر جو مرے دِل کا حال ہے

نِکلے ہیں میکدے سے ابھی حضرتِ شباب
لگتا ہے اب کچھ اُن کی طبیعت بحال ہے



ہو گیا وہ راز افشا آپ کے اشاروں سے
جو چھپا کے رکھا تھا میں نے غم گساروں سے

نام تیری بخشش کا ہم امیدواروں سے
شان تیری رحمت کی ہم گنہگاروں سے

فیض یاب ہیں جس سے چند اہلِ گلشن ہی
اُس بہار کی قیمت پوچھیئے ہزاروں سے

مدتیں ہوئیں کوئی شوخ ادھر سے گزرا تھا
اِک مہک سی آتی ہے اب بھی رہگزاروں سے

جو چمن میں پھولوں سے دوستی جتاتے ہیں
ساز باز درپردہ ان کی ہے شراروں سے

اُن کے بھی سفینے اب نذرِ موجِ طوفاں ہیں
کس رہے تھے آوازے ہم پہ جو کناروں سے

لب پہ میٹھی باتیں ہیں، اور دل میں گھاتیں ہیں
آپ بچ کے رہیئے گا آج کل کے یاروں سے

نظمِ بادہ خانہ پر کر رہے ہیں کیوں تنقید
یہ گِلہ ہے ساقی کو آج مے گساروں سے

کیا فقط گُلوں ہی سے زینتِ گلستاں ہے؟
پھر چمن پرستوں کو کیوں حذر ہے خاروں سے

بعض ایسے طوفاں بھی اے شباب آتے ہیں
خود ہی جو لگاتے ہیں کشتیاں کناروں سے



شوق سے دردِ محبّت دیجئے
مجھ کو اپنے غم کی دولت دیجئے

منتظر ہے شوق کی دیوانگی
اِذنِ تجدیدِ محبّت دیجئے

آپ کی آنکھیں بہت کچھ کہہ چکیں
اپنے ہونٹوں کو بھی زحمت دیجئے

آپ کی خاطر فرازِ دار پر
آئیں گے ہم، آپ دعوت دیجئے

دیکھ لیجے اِک نظر سوئے چمن
لالہ و گُل کو لطافت دیجئے

ڈال کر اپنے تبسّم کی کرن
اَدھ کھِلی کلیوں کو رنگت دیجئے

تیری خلوت کے خنک ماحول کو
اپنی سانسوں کی حرارت دیجئے

تلخیٔ ماحول سے ہوں جاں بلب
اپنے ہونٹوں کی حلاوت دیجئے

پھر کوئی تازہ قیامت ڈھائیے
پھر کوئی جاں سوز کلفت دیجئے

نت نئے صدمے عطا فرمائیے
نت نئے زخموں کی دولت دیجئے

دل یہ کہتا ہے کہ دیکر اپنی جان
تیرے احسانوں کی قیمت دیجئے

صبح پھر ہوگی ملاقات آپ سے
اب خدا حافظ اجازت دیجئے

آج شب اس جانِ مستی کو شباب
کیوں نہ میخانے میں دعوت دیجئے

نظمیں

نئی سحر کے اُجالے ہیں ناگوار جنہیں

وہ شب پرست بچھڑتے ہیں تو بچھڑنے دو

نذرِ شوق

(ست بابا نانک کی خدمتِ اقدس میں)

اے شاہکارِ نورِ ازل میرے ست گورو
رکھتا ہوں کب سے میں ترے چرنوں کی آرزو
تیری نگاہِ لطف و عنایت کی چاہ میں
لایا ہوں نذرِ شوق تیری بارگاہ میں
حاضر ہیں میرے عجز و عقیدت کے چند پھول
اے پیارے ستگورو یہ تجھے ہوں اگر قبول
بانی تری مدام رہی دِل کو ساز مند
میں بھی جنم جنم سے ہوں تیرا نیاز مند
تصویر تیری قلب و نظر میں سمائی ہے
تیرے رُخِ جمیل پہ تابش خدائی ہے
ہے تیرگی شگاف ترے درشنوں کی دُھوپ
خود و ہگورو نے دھار لیا ہے بشر کا رُوپ

رہتا ہے تیرا نامِ مقدس قرینِ دل
تو جانِ اعتقاد ہے تو ہے مکینِ دل

باقی تری اَمر، ترا گلشن سدا بہار
ہے کیفِ لازوال ہری نام کا خمار

تیرا کلامِ پاک ہے سرمایۂ سکوں
دم بھر میں توڑتا ہے جو اوہام کا فسوں

تو نے کیا فسونِ جہالت کو بے اثر
توحید کا ترانۂ پُر کیف چھیڑ کر

باطل کے روبرو وہ تری حق بیانیاں
انحد کے ناد پردہ تری نغمہ خوانیاں

مفتوں کا تو حبیب، فقیروں کا تو انیس
محنت کشوں کا خاک نشینوں کا تو جلیس

لالو کی نانِ خشک پہ تھا کیوں نثار تو
بھاگو کی روٹیوں سے ٹپکتا تھا کیوں لہو

یہ فلسفہ زمانے کو تو نے سکھا دیا
کیا رزق میں ہے فرق حلال و حرام کا

رشکِ زمانہ تھی تری شانِ قلندری
قدموں پہ تیرے سجدہ کناں تھی سکندری

انسانیت پہ تیرے کرم بے شمار ہیں
اہلِ زمانہ تیرے شکر گزار ہیں

نفرت کی تیرگی کو مٹانے کا شکریہ
انسانیت کی شمع جلانے کا شکریہ

کلجگ کے پیرا تو مجھے عقلِ سلیم دے
میٹھا سو بھاؤ دے مجھے طبعِ حلیم دے

ستگور تو بخش دے مجھے بھگتی کی بھاونا
میں قطرۂ حقیر ہوں مجھکو گہر بنا

اپنے پوتر چرنوں کا تو مجھ کو پیار دے
نگہہِ کرم سے تو مری ہستی سنوار دے

جو ہے مرے شعور پہ طاری چڑھی رہے
دن رات مجھ کو "نام خماری" چڑھی رہے

تُم مرے پاس ہو

سُرمئی شام کی بڑھتی ہوئی تاریکی میں
تھک کے میں کام سے جب ہوتا ہوں بستر پہ دراز
تُم مرے پاس دبے پاؤں چلی آتی ہو
جس طرح ذہن میں آتا ہے کوئی نکتۂ راز

شب کے سناٹے میں جب دُور کوئی گاتا ہے
ایک شعلہ سا بھڑک اُٹھتا ہے میرے دل میں
اور ہو جاتا ہے تنہائی کا احساس شدید
دردِ خوابیدہ چمک اُٹھتا ہے میرے دل میں

تب مرے پاس کوئی بھی نہیں ہوتا موجود
دفعتاً اپنی رفاقت میں تمہیں پاتا ہوں
کپکپاتی ہیں مرے رُخ پہ تمہاری سانسیں
جب میں سینے سے تمہارے اِسے سہلاتا ہوں

چاندنی رات لٹاتی ہے جب اپنا جوبن
یاد آتا ہے تمہارا مجھے بھرپور شباب
اور پھر ایسے میں پاتا ہوں تمہیں اپنے قریب
وہی آنکھوں کے کنول، ہاں وہی عارض کے گلاب

اور جب پچھلے پہر کرتا ہوں تخلیقِ غزل
چھم سے آجاتی ہو اے جانِ غزل تم مرے پاس
آخرِ شب کا وہ پُرکیف طلسمی ماحول
میری پروازِ تخیّل کو بہت آتا ہے راس

تم کہیں بھی ہو مری جانِ تمنّا لیکن
ہر گھڑی تم مری جانب نگراں ہوتی ہو
میں کہیں بھی ہوں کسی حال کسی عالم میں
تم مرے پاس ہو، تم دُور کہاں ہوتی ہو

محرومیٔ شوق

گلشنِ حسن کی اے شوخ و دلآویز کلی
دیکھ کر تجھ کو دلِ زار مچل جاتا ہے
ایک ایسی ہی کلی تھی مرے دامن میں کبھی
عہدِ ماضی کا وہ منظر مجھے تڑپاتا ہے

جانِ گلزارِ تمنّا تھی وہ خوش رنگ کلی
آہ جسکو نہ ہوا ڈھنگ سے کھلنا بھی نصیب
کیوں اُسے کھا گئی بدخواہ زمانے کی نظر
جانے کیوں بن گیا گلچینِ اجل میرا رقیب

تُو وہ معصوم کلی تو نہیں لیکن تجھ میں
وہی بُو باس وہی شوخی و رعنائی ہے
وہی صورت وہی نکہت وہی نرمی وہی لوچ
رنگ و بُو جیسے اُسی کے تو چُرا لائی ہے

دِل کی دھڑکن میں توازن نہیں رہتا اُس وقت
دفعتاً جب تُو مقابل سے گزر جاتی ہے
میری تخئیل کی وادی میں مہکتے ہیں گلاب
رنگ اُڑتا ہے جہاں تک بھی نظر جاتی ہے

لاکھ سمجھاتا ہوں اپنے دِلِ مضطر کو مگر
بے ارادہ یہ تری سوچ میں کھو جاتا ہے
دیکھ کر تجھ کو تیرے شبنمی ہونٹوں کی قسم
جانے کیا بیٹھے بٹھائے اِسے ہو جاتا ہے

کل تجھے دیکھ کے اِک ہوک سی اُٹھی دِل میں
دِل نے ہر سانس میں سو بار ترا نام لیا
تجھ کو چھُو لینے کی حسرت نے کیا جب بیتاب
ہاتھ اَے جانِ حیا! میں نے ترا تھام لیا

دفعتاً حسن کی چبھتی ہوئی بھرپور نگاہ
دم زدن میں مری کیفیتِ دل جان گئی
جراٗتِ شوق مری کر گئی تجھ کو برہم
تُو مرے دِل کی گزارش کا بُرا مان گئی

تیری نظروں کا یہ انداز، یہ ماتھے کی شکن
مجھ سے اِک شکوۂ خاموش کئے جاتے ہیں
بارشِ سنگِ ملامت ہے مسلسل مجھ پر
مجھ کو الزام پر الزام دیئے جاتے ہیں

اِک تجلّی جو ازل سے مری قسمت میں نہیں
جانے کیوں اُسکے تجسّس میں بھٹکتی ہے نگاہ
تو مری بن نہیں سکتی مگر اے جانِ چمن!
تجھ کو چھُو کر مجھے ہوتا نہیں احساسِ گناہ

تیری خاموش نگاہوں سے جو خفگی ہے عیاں
اے حسینہ! یہ تری رُوح کی آواز نہیں
پا لیا میں نے ترے دِل نے دیا جو پیغام
اسکو مجھ سے نہ چھپا اب یہ کوئی راز نہیں

دستک

گھر کے دروازے پر کس نے ہولے سے دی ہے یہ دستک ——؟
کوئی مانوس آواز گونجی ہے خاموشیوں میں
گھر کے آنگن پہ چھائی ہوئی بے حسی چونک اٹھی ہے
پائلوں کی کھنک سے فضا مرتعش ہو گئی ہے

چوڑیوں سے بھرے ہاتھ زنجیرِ در تک گئے ہیں
مسکراتا ہوا وہ در آیا ہے آنگن میں کوئی
یک بیک بڑھ کے گوری کو آغوش میں اپنے بھر کر
ثبت کر دی ہے

گوری کے رخسار پر والہانہ
خلوص و محبت کی ننھی سی مہر اپنے ہونٹوں سے اس نے

گھر کے ماحول میں ہر طرف
نغمگی رچ گئی ہے
قہقہے گونج اُٹھے خامشی گا رہی ہے
چھوڑ کر اپنے دِلکش کھلونوں کو ننھے فرشتے
اپنے معصوم ہونٹوں پہ کومل سی مسکان لیکر
پیار کی دھوپ میں جھلملاتی ہوئی سرخیاں عارضوں پر سجائے
ایک کے بعد ایک
اجنبی سے گلے مل رہے ہیں
اپنے پردیسی ابّا کو گھیرے ہوئے ناچتے ہیں
ماں مسکراتی ہوئی تک رہی ہے
دِل کی بڑھتی ہوئی دھڑکنوں میں انوکھی سی لذّت سمیٹے

اپنے پیارے وطن کا محافظ، بہادر سپاہی
سر فروشِ وطن، جاں نثارِ وطن، وہ دلاور
مدتوں بعد محاذ سے لوٹا ہے آج اپنے گھر کو

قافلہ سالار سے

(شریمتی اندرا گاندھی کے نام)

تعظیم تجھے ہند کی خاتونِ مکرّم!
ہاتھوں میں ترے قوم کی عظمت کا ہے پرچم

تُو ایک بڑے باپ کی بیٹی ہے، بجا ہے
کردار جو اُبھرا ترا راہ نما ہے

نہرو کی فراست تجھے ورثے میں ملی ہے
داناؤں کی حکمت تجھے ورثے میں ملی ہے
تنظیم حکومت تجھے ورثے میں ملی ہے
جنتا کی محبت تجھے ورثے میں ملی ہے

دل عشقِ وطن سے ترا معمور ہے اندرا!
تُو دردشناسِ دلِ جمہور ہے اندرا

تُو صاحبِ تدبیر ترا ذہن ہے بیدار
شیریں ترے اقوال ہیں روشن ترے افکار

ہاں تجھ میں جو آہر کی سی ہے عظمتِ کردار
تجھ میں وہی ہمّت ہے وہی جذبۂ ایثار

فرسودہ روایات ترے دل پہ گراں ہیں
اقدار نئی تیرے لیے عشرتِ جاں ہیں

رجعت کے خداوندوں سے ٹکر تری خُو ہے
در اصل نمائندہ نئی نسل کی تُو ہے

چل قافلہ سالارِ وطن اور ذرا تیز
ہے تیز بہت وقت کی رفتارِ جنوں خیز

ہر چند کہ منزل نہیں خطرات سے خالی
کھاتی ہے ہمیں اپنی ہی فرسودہ خیالی

اُٹھتے ہیں ابھی فرقہ پرستی کے بگولے
لوگ اب بھی غلامانہ روش کو نہیں بھولے

ہر چند کہ راہوں میں کھڑے ہیں کئی طوفاں
تسلیم کہ راہی بھی ہیں کم کوش و تن آساں

افزائشِ ذوق اِن کی مگر کام ہے تیرا
افسوں گریِ جذب و اثر کام ہے تیرا

کر اپنی قیادت سے وہ اعجاز نمایاں
جو قافلے کے حق میں ہو تنظیم کا ساماں

روشن ہو ترے آج سے کل اور زیادہ
اللہ کرے جوشِ عمل اور زیادہ

موڑ

یہ موڑ خوب رہا اہلِ کارواں کے لئے
جو سُست رَو تھے یہاں اُنکا ساتھ چھوٹ گیا
رہِ وفا میں یہ افسوس کا مقام نہیں
اگر گروہ کوئی کارواں سے ٹوٹ گیا

جو قافلے کے کبھی دل سے خیر خواہ نہ تھے
چلو یہ اچھا ہے اب ہمسفر نہیں اپنے
جو رہزنوں سے بھی رکھتے تھے ربط درپردہ
خدا کا شکر ہے اب راہبر نہیں اپنے

جو آنکھ موندتے ہیں وقت کے تقاضوں سے
وہ کور ذہن بگڑتے ہیں تو بگڑنے دو
نئی سحر کے اُجالے ہیں ناگوار جنہیں
وہ شب پرست بچھڑتے ہیں تو بچھڑنے دو

جو دوسروں کے گلے کاٹتے تھے اُن کیلئے
مقامِ نالہ و فریاد آگیا آخر
خوشا کہ سازشِ تخریب بے نقاب ہوئی
خود اپنے دام میں صیّاد آگیا آخر

قسم شباب کی اب منزلِ وفا کی طرف
بڑھے گا اور بھی تیزی سے کارواں اپنا
وہ لاکھ خار بچھائیں ہماری راہوں میں
اُگیں گے پھول پڑے گا قدم جہاں اپنا

بہارِ واقعی

بہار آ گئی مگر بہار سا سماں نہیں
جو چاہیے تھا واقعی وہ رنگِ گلستاں نہیں
سکونِ زندگی نہیں قرارِ قلب و جاں نہیں
کہ طائرانِ خوش نفس چمن میں ہمزباں نہیں

ہر ایک کی زبان پر بس اپنا اپنا راگ ہے
ہر ایک راگ میں چھپی بس اپنی اپنی آگ ہے
الگ الگ ہے جوگ تو الگ الگ بہاگ ہے
لگاؤ اپنا اپنا اور اپنی اپنی لاگ ہے

جو درد مشترک ہے اِک کسی کو اُسکا غم نہیں
اُس ایک دُکھ کے واسطے کسی کی آنکھ نم نہیں
رواں دواں بزعمِ خود کوئی کسی سے کم نہیں
مگر سفر میں کوئی بھی کسی کا ہم قدم نہیں

روا ہیں لوگ راج میں اگرچہ اختلاف بھی
مگر عروج کیلئے ہے اتحاد لازمی
مروّت و یگانگت، خلوص و مہر و آشتی
انہی سے رونقِ حیات، انہیں سے نظمِ زندگی

جو بھائی بھائی ہیں سبھی تو بغض کیوں عناد کیوں
ذرا ذرا سی بات پر یہ فتنہ و فساد کیوں
یہ ہائے ہائے کس لئے یہ شورِ مردہ باد کیوں
لہو کا کھیل کس لئے، یہ قتلِ اعتماد کیوں

رہینِ اضطراب ہے ہنوز رُوحِ گلستاں
کلی کلی کے رُخ پہ ہیں ابھی محیط زردیاں
ابھی بہت قریب ہی کڑک رہی ہیں بجلیاں
ابھی چمن سے دُور تر ہے وہ بہارِ بے خزاں

دِلوں میں موجزن ذرا بہار کی لگن کرو
چمن پرست ہو تو پھر یہ خدمتِ چمن کرو
تباہ یوں نفاق سے نہ عظمتِ وطن کرو
خلوص و مہر سے سِوا فروغِ انجمن کرو

سبھی ہیں جزوِ گلستاں، وہ پھول کیا وہ خار کیا
نہ جس سے فیض یاب کُل چمن ہو وہ بہار کیا



ترے خطوط

گھٹتا ہے جی مرا تری فرقت میں جب کبھی
ہوتا ہوں بیقرار غمِ جاں گداز سے
مجھ کو پکارتے ہیں ترے کیف اثر خطوط
تیرے سنگار میز کی دلکش دراز سے

تیرے قلم کی نوک سے اُبھرے ہیں جو حروف
اُن میں ہے اِک وفاؤں کی دُنیا بسی ہوئی
اُن میں گھُلا ہوا ترے اخلاص کا ہے رنگ
اُن میں ہے تیرے پیار کی خوشبو رچی ہوئی

بکھرے ہوئے ہیں تیرے دلآرا خطوط میں
کومل سے تیرے دل کے وہ جذبات رنگ رنگ
بے تابیِ فراق کی رودادِ غم اثر
راز و نیازِ شوق، ملاقات کی اُمنگ

شکوے وہ بیوفائی کے مجھ سے کہیں کہیں
باتیں قلم پہ لاگ کی، دل میں لگاؤ کی
قسمیں کہیں کہ تم سے نہ بولوں گی عمر بھر
ترکِ وفا کا عذر، مگر دِل میں چاؤ کی

میکے سے گاہ گاہ لکھے تو نے جو خطوط
کتنا خلوص اُن میں تڑپتا ہے الاماں
تشویشِ بے حساب وہ تنہائی پر مری
ہر جملے میں ہزار دعاؤں کے کارواں

کالج سے تو نے لکھے جو مکتوبِ دل نواز
دینِ وفا کے ہیں وہ صحیفے مرے لئے
اک جلوہ گاہِ شوق ہے اُن کا ورق ورق
روشن ہیں اُن سے غمکدۂ روح میں دیئے

ہر چند راہِ شوق میں اک سخت موڑ پر
ناگاہ جانِ شوق تو گم ہو گئی کہیں
پھر بھی ترے خطوط سے حاصل ہے تیرا قرب
تو مجھ سے دور ہے مرا دل مانتا نہیں

ساگر ہے ایک پیار کا تیرے خطوط میں
ملتی ہے جس میں ڈوب کے دل کو شگفتگی
ہر غم کو بھول جاتا ہوں کچھ دیر کے لئے
ہونٹوں پہ لوٹ آتے ہیں نغماتِ سرخوشی

دل میں اداسیوں کا بسیرا ہے آج پھر
احساسِ بے کسی ہے پریشاں کئے ہوئے
"پھر چاہتا ہوں نامۂ دلدار کھولنا
جاں نذرِ دلفریبیِ عنواں کئے ہوئے"
(غالبؔ)

تیرے خطوط ہیں تری رنگیں نوازشات
تازہ ہے ان کے دم سے مرے دل کی واردات
تو تو چلی گئی ہے چھڑا کر حسین ہات
تیرے خطوط ہیں مرا سرمایۂ حیات

اِستقبال

وہ سُہانی رات میں کیسے بُھلا دوں
تک رہا تھا راہ تیری جب مرا گھر
اور پھر سچ مچ چلی آئی تو اُس میں
اپنے ہونٹوں پر مدھر مسکان لے کر
بھر کے باہوں میں تجھے جب میری ماں نے
پیار سے بوسہ دیا تھا تیرے سر پر
تیرے اِستقبال کی خاطر لگا تھا
ایک میلہ سا مرے گھر کے برابر
تیری راہوں میں نگاہوں کو بچھائے
سب کھڑے تھے ہدیۂ تبریک لے کر
نکہتِ گُل سے معطّر تھیں فضائیں
نُور تھا بکھرا ہوا دیوار و در پر

کر رہے تھے کیف و مستی میں اقارب
پھول، سِکّے اور خوشبوئیں نچھاور
لے رہی تھیں عورتیں تیری بلائیں
ایک کے بعد اک ترا گھونگھٹ اُٹھا کر
نغمۂ تبریک گاتی تھیں زبانیں
اور دعائیں تھیں بڑے بوڑھوں کے لب پر
رہ گیا تھا بن کے سب نظروں کا مرکز
شرم سے سمٹا ہوا وہ تیرا پیکر
پے بہ پے احساس یہ ہونے لگا تھا
ہر مسرت ہو مجھے جیسے میسر
رُخ ترا گلنار تھا فرطِ حیا سے
دھڑکنیں تھیں میرے سینے کی فزوں تر
مالتی دیوار سے جیسے لگی ہو !
یوں کھڑی تھی تو مرے پہلو سے لگ کر
منتظر تھیں چٹکیاں لینے کو ننّدیں
کھیلنے ہنسنے کو تھے بے تاب دیور

ہر اشارہ وقت کا تسکینِ جاں تھا
زندگی کی راہ تھی پھولوں کا بستر
جگمگائی یوں ترے ماتھے کی افشاں
میرے کاشانے کا جاگ اٹھا مقدر
تیرے آنچل میں تھے آشاؤں کے تارے
میرے دامن میں تمناؤں کے گوہر
بن گئے تھے بام و در سرو چراغاں
گوشہ گوشہ تھا مرے گھر کا منور
وہ شبِ عشرت تھی شاید اک فسانہ
ایک دلکش خواب تھا شاید وہ منظر
چوٹ دل کی جب بھی تڑپاتی ہے مجھ کو
وہ سہانی رات یاد آتی ہے مجھ کو

طمانچہ

مرے مقدّس وطن کا دلکش حسین رفعت نشاں ترنگا
یہ پرچم ذی وقار جس کو
عقیدت و عجز سے جھکاتا ہے سر وطن کا ہر ایک باسی
دلوں کی گہرائیوں میں رکھی اساس جس کی
ہمالیے جاں باز سورماؤں نے سرفروشوں نے رہبروں نے
امر شہیدوں، وطن پرستوں
دلاوروں نے، مجاہدوں نے
کسی نے زنداں کی تنگ و تاریک کوٹھڑی میں حیات کھو کر
کسی نے پھانسی کو چوم کر
گیت اس ترنگے کے برسرِ دار گنگنائے
کسی نے سر اپنا دے دیا سرحدِ وطن پر اسی کی خاطر

یہ ذہی سعادت علم، یہ نصرت مآب جھنڈا
نشانِ اوج وکمال وسطوت
نشانِ شوکت، نشانِ عظمت
علامتِ عزّو کامرانی
اِسی ترنگے کے زیرِ سایہ
لڑائی انگریز سے لڑی ہند باسیوں نے
سر اپنے رکھ کر ہتھیلیوں پر
عروسِ آزادیٔ وطن کو بیاہ لائے وطن کے پلنگے
اِسی ترنگے کی سرفرازی کے واسطے زندگی کی بازی
لگا گئے تارا پور و عبد الحمید و عثمان
سبھاش نیتا
اجیت سنگھ اور چندر شیکھر
شہیدِ اعظم وہ بھگت سنگھ اور اُسکے ساتھی
اِسی ترنگے علم کو تھامے ہوئے بڑھا تھا
شہید کرنیل سنگھ
اپنے لہو سے گوآ میں شمعِ آزادی کو جلانے

اسی ترنگے کی رہنمائی میں
حیدرآباد اور پنجم کو سر کیا تھا
عظیم بھارت کی فوجِ ذی حوصلہ نے اِک دِن

اسی ترنگے کی عزت و آبرو کی خاطر
حفاظتِ پرچمِ وطن کے لئے ہمارے ہزاروں یودھا
ہمالیہ کی بلند برفانی چوٹیوں پر ڈٹے ہوئے ہیں
وُہ باڑمیر اور کچھ کے ریتیلے راستوں پر بھٹک رہے ہیں

اسی کی رکھوالی کر رہے ہیں
وہ گھر کی آسودگی کو آرام کو بھلا کر
شفیق ماؤں، عزیز بہنوں،
دُلارے بچوں کی، لاڈلے بھائیوں کی
رنگین صحبتوں سے الگ تھلگ ہیں
انیس، ایثار مند، شوہر پرست، شرمیلی بیویوں کی
حسین آغوش سے بہت دُور
پیار کی سیج کر کے سُونی

ہر ایک لمحہ
ہر ایک رُت میں
اُٹھا کے ہر جاں گداز کُلفت
صعوبتِ برف و باد و باراں
تمازتِ آفتابِ سوزاں
لگا کے کندھوں سے رائفلیں دے رہے ہیں پہرہ
وہ سرحدِ ملک پر ترنگے علم کی خاطر

مگر یہ کیا سُن رہا ہوں
سچے گورو کی نگری میں چند اہلِ وطن کے ہاتھوں
اِسی ترنگے کی آج توہین کی گئی ہے
غرض پرستوں نے آج کیسا یہ گُل کِھلایا

مَیں سوچتا ہوں
یہ لوگ بھی کیا
سپوت ہیں اُس غیور ماں کے؟

دیا جنم جس کی کوکھ نے بھگت سنگھ کو اور لاجپت کو
جو مر مٹے اِس علَم کی خاطر
یہ کیا اُسی مادرِ وطن کی شفیق آغوش میں پلے ہیں
کہ جس میں عبد الحمید کی پرورش ہوئی تھی — ؟
جہاں سے پل کر شہید اُدھم سنگھ اور کرنیل سنگھ نکلے
جہاں خود ہی رام اور نیتا سبھاش کھیلے

یہ سانحہ اِک عجیب دلسوز سانحہ ہے
کہ اپنی عزت پہ ہاتھ ڈالا ہے آپ ہم نے
خود اپنے جھنڈے پہ وار کر کے ——
یہ کس کی ذلت ہے کس کی توہین ہے یہ آخر
وطن کے اہلِ سیاست و اقتدار جانیں
مجھے تو ایسے لگا ہے جیسے
پڑا ہے پوری ہی قوم کے رُخ پہ اِک طمانچہ!

فرقہ پرست ہمنواؤں سے

نعرہ بازو! اب تو باز آؤ خدا کے واسطے
اپنے پاگل پن سے بھارت کو نہ یوں رسوا کرو
رحم کھاؤ کچھ نئے ہندوستاں کی ساکھ پر
ہو سکے تم سے تو بھارت کا وقار اونچا کرو

دل کہ ہے ہنگامہ آرائی کا رسیا دیر سے
جب کبھی مچلا تمہارے پہلوئے بیتاب میں
مختلف نعروں کی جنت کو دکھا کر سبز باغ
تم بہا کر لے گئے جذبات کے سیلاب میں

امن کے خرمن پہ برسا کر شرر نازاں ہو تم
یہ روش یہ خود فریبی کا چلن اچھا نہیں
بھائی بھائی کو لڑا دینا ذرا سی بات پر
یہ جنوں، یہ خبط، یہ دیوانہ پن اچھا نہیں

فتنہ و شر تو نہیں ہیں دیس کے دکھ کا علاج
چھوڑ کر تخریب، کچھ تعمیر کی باتیں کرو!
خاک سے سونا بنا سکتی ہے ہم کو ایکتا
ایکتا کی، ہاں اسی اکسیر کی باتیں کرو

ساتواں پھول

شب کا سکوت کرنے لگا منتشر کوئی
خاتون رو رہی ہے سرِ رہگزر کوئی
اے دخترِ وطن! تجھے کس نے کیا ملول
کیوں کھل رہے ہیں رخ پہ ترے غم کے زرد پھول؟

کیوں خون رو رہی ہے تری چشمِ اشکبار
دل کی شکستگی ہے نگاہوں سے آشکار؟
کس غم کی گرد تیرے رخِ مضطرب پہ ہے
کس جورِ بے پناہ کی فریاد لب پہ ہے؟

کیوں بن کے رہ گئی ہے چرخے کا تو ستول
چھینا ہے کس نے تیرے دل و روح کا سکون؟

معلوم شہر بھر کو ہے یہ میرے محترم!
کیا مجھ سے پوچھتے ہو مری واردات غم

میں ہند کی وہ دختر تیرہ نصیب ہوں
پینا پڑا ہے اپنی امنگوں کا جس کو خوں

وہ بیل ہوں میں اپنے چمن کی جنم جلی
بے کار جو کنارِ چمن میں بڑھی پلی!

میں ہوں معاشرے کی جہالت کا اک شکار
ظالم سماج کی ہوں میں رجعت کا اک شکار

ہر چند پاک باز ہوں شوہر پرست ہوں
وہ بد نصیب ہوں کہ خود اپنی شکست ہوں

جب جب بھی میری کوکھ ہوئی آج تک ہری
خالق نے بیٹیوں ہی سے گودی مری بھری

قسمت نے سات بار بنایا ہے مجھ کو ماں
ساتوں ہی بار گود میں کھیلی ہیں بیٹیاں

میں نا سمجھ رضائے الٰہی کو کیا کہوں
ہر مرتبہ ہوئی میں ندامت سے سرنگوں

پامال اس لئے ہے مری غیرت و انا
افسوس میں نے ایک بھی بیٹا نہیں جنا

شوہر کا طعن ساس سسر کی جلی کٹی
سہتی رہی ہیں شام و سحر کی جلی کٹی

گودی میں ہے مری جو یہ اک پیکرِ حسیں
مجھ بدنصیب ماں کی یہ بیٹی ہے ساتویں

یہ بھی ہے پھول میری ہی شاخِ حیات کا
دو روز بیشتر جسے میں نے جنم دیا

یہ نو دمیدہ پھول کھلانے کی چور ہوں
بزمِ شہود میں اسے لانے کی چور ہوں

بس اس خطا پہ گھر سے نکالی گئی ہوں میں
غم کی کٹاریوں پہ اچھالی گئی ہوں میں

یہ پھول آج اپنی ہی ٹہنی پہ بار ہے
تخلیق پر خود اپنی کوئی شرمسار ہے

جس کو مدام میں نے مجازی خدا کہا
مانا تمام عمر جسے اپنا دیوتا

ٹھکرا دیا ہے مجھ کو اُسی سنگدل نے آج
بے بس کیا ہے مجھ کو غمِ مستقل نے آج
ذلت کی ٹھوکروں سے جو میں آج چور ہوں
میرا قصور یہ ہے کہ میں بے قصور ہوں

اب تو دُعا یہ ہے مری پروردگار سے
مجھ کو اُٹھا لے انجمنِ روزگار سے

شاعرِ مشرق — ٹیگور

سرمدی گیت وہ تُو نے گائے
جھوم اُٹھے سُن کے اپنے پرائے

معرفت کے لُٹائے خزانے
علم کے تُو نے دریا بہائے

تیری تخئیل نے پھول کیا کیا
گلستانِ ادب میں کھلائے

اے کوی! اے رشی! اے قلندر
نقش تُو نے دِلوں پر بٹھائے

تیرے نغمے فقط ایشیا کیا
روس و یورپ نے بھی گنگنائے

تیری "گیتا نجلی" کے ترانے
سحر بن کر زمانے پہ چھائے

ہند کی عظمتِ فکر و فن پہ
اہلِ مغرب بھی ایمان لائے

محفلِ شعر و نغمہ میں کیا کیا
فکر نے تیری جادو جگائے

روحِ انساں کو بالیدگی دی
خودشناسی کے نکتے سمجھائے

ذہنِ انساں سے جو ماورا تھے
اُن حقائق سے پردے اُٹھائے

مانگ میں شاہدِ فکر و فن کی
جھلملاتے ستارے سجائے

تو نے ذہنوں کو بخشا اُجالا
آگہی کے اِشارے بتائے

میں شباب اُس مغنی پہ قرباں
جس کے نغموں نے سوتے جگائے

چوٹ

ٹیکس افسر نے کل اِک موٹا اسامی پھانسا
اُس سے رشوت میں لئے نقد فقط پانچ ہزار
اور پھر کیفے کے اِک آسودہ ترین گوشے میں
مِل کے پینے لگے دونو مئے گلگوں کا نکھار

جامِ خوش رنگ میں لہرانے لگی بادۂ ناب
نقرئی چمچے پلیٹوں سے لگے ٹکرانے
چند لمحوں میں یہ حضرات باآوازِ بلند
جام ہاتھوں میں لئے بحث لگے فرمانے

بحث کچھ آگے بڑھی بات سے چھڑتی گئی بات
اور ہر آن بدلتا رہا موضوعِ سخن
گرم گفتاریاں حالات و مسائل پہ ہوئیں
زیرِ بحث آ گئی پھر پستیٔ اخلاق و چلن

ایک بولا کہ بڑے چور ہیں کھدر دھاری
ان کا ملبوس بہت اُجلا ہے دِل میلا ہے
اپنے بھارت میں یہی لائے ہیں بے ایمانی
ان سے ہی زہر کرپشن کا یہاں پھیلا ہے

چور بازاری پہ رشوت پہ گزر ہے ان کی
یہی مجرم ہیں پہنتے ہیں جو کھدر کا لباس
میں بھی بیٹھا تھا وہیں پاس ہی کھدر پہنے
کتنا مضروب ہوا، کیا کہوں، میرا احساس

میں کسے چور کسے سادھ کہوں، سوچتا ہوں
کیا فقط دیکھ کے چپکا ہی رہوں، سوچتا ہوں

تلاش

آج برسوں بعد پھر آیا ہوں اِس اُجڑے چمن میں
جانِ عشرت! تم جہاں پہلے پہل مجھ سے ملی تھیں
وہ جھجکتی اور شرماتی نگاہیں اب کہاں ہیں ؟
جن کی جنبش سے دِلوں میں پیار کی کلیاں کھلی تھیں

مدتوں گھومے جہاں ہم ڈال کر باہوں میں باہیں
پھر وہی مانوس وادی ہے نگاہوں کے مقابل
ہم نے چھیڑے تھے جہاں سازِ تمنا پر ترانے
جس کے دامن میں کبھی پالی تھی ہم نے اپنی منزل

دھان کے یہ لہلہاتے کھیت یہ مکی کے بالے
ماہ بھادوں کی سنہری دھوپ میں جو پک رہے ہیں
ایک استفسار ہے ان کی نگاہوں میں مسلسل
سر اُٹھائے میری جانب خامشی سے تک رہے ہیں

ہاں شوالک کے حسیں دامن میں یہ چھوٹا سا قصبہ
جو تمہاری اور میری دھڑکنوں کا رازداں ہے
اِسکی صبحیں، اِسکی شامیں، اِسکے بن اِسکے مناظر
پوچھتے ہیں مجھ سے رہ رہ کر وہ شہزادی کہاں ہے

ہاں وہ شہزادی سراپا چاندنی جس کا بدن تھا
جس کا زیور سادگی معصومیت جس کی ادا تھی
پیار تھا جسکو شوالک کی فضائے پرسکوں سے
وہ جو پربت کے تمدن پر دل و جاں سے فدا تھی

گاؤں بھر کو رشک تھا جسکے سلیقے پر وہ گوری
جس کے سگھڑ پن کے چرچے تھے بڑے بوڑھوں کے لب پہ
جس کے گیتوں سے نہ رہتی تھی کوئی تقریب خالی
جانِ محفل بن کے چھا جاتی تھی ہر بزمِ طرب پہ

بھر رہی ہیں آج بھی کچھ گوریاں پنگھٹ پہ پانی
تم چلی آتی تھیں جس پنگھٹ پر اکثر مجھ سے ملنے
اب بھی پنگھٹ پر وہی رومان پرور سی فضا ہے
عہد و پیماں جس میں کچھ باہم کئے تھے دِل سے دِل نے

پھر اسی چھوٹے سے آنگن کے مقابل رک گیا ہوں
جس میں رہتی تھیں عموماً شوخ سکھیاں تم کو گھیرے
تم نے کاڑھے تھے جو تکیئے پہ گل بوٹے یہیں پر
تم سلجھاتی تھیں یہیں بیٹھی ہوئی گیسو گھنیرے

ہاں وہی بوسیدہ سا گھر ہاں وہی کھپریل کی چھت
جن کے سائے میں چھوا تم نے جوانی کی حدوں کو
ان کی نظریں پوچھتی ہیں میں انہیں کیسے بتاؤں
کر چکی ہو پار تم اب زندگانی کی حدوں کو

دلِ تمہیں کھو کر ابھی سنبھلا نہ تھا جب اتفاقاً
وحشتِ دل کھینچ لائی مجھکو پھر اس انجمن میں
کچھ بتا سکتا نہیں میں انجمن سے تم کہاں ہو
ڈھونڈتا پھرتا ہوں میں خوشبو تمہاری اس چمن میں

آنسوؤں سوداگر

جمہور کے اس دور میں جنتا کا قاتل کون ہے؟
محفل نشیں ہوتے ہوئے بد خواہِ محفل کون ہے؟

دن رات جسکی زد میں ہے جنتا کا گلشن، کون ہے؟
جو بن گیا ہے باغ میں برقِ نشیمن، کون ہے؟

وہ ملک دشمن کون ہے، وہ دشٹ ظالم کون ہے؟
خونی لٹیرا کون ہے، جنتا کا مجرم کون ہے؟

اہلِ وطن کے حسرت و ارماں کا دشمن کون ہے؟
بیماریوں، بدحالیوں دکھوں کا کارن کون ہے؟

قحطوں کا طالب کون ہے، قلت کا گاہک کون ہے؟
وہ بھارتی تہذیب کے ماتھے کی کالک کون ہے؟

ہو خشک سالی ہر برس، دِل سے یہ خواہش کس کی ہے ؟
اسمگلروں اور ڈاکوؤں کے ساتھ سازش کس کی ہے ؟
وہ راگ مارُو کون ہے، سیلِ ہلاکت کون ہے ؟
ہے کون تاجر موت کا، جلاّد سیرت کون ہے ؟

وہ کون خون آشام ہے؟ کون ایسا مردم خور ہے ؟
جو دن دہاڑے لُوٹ لے، وہ کون سینہ زور ہے ؟
"نِرماں یُگ" میں مائلِ تخریب کاری کون ہے ؟
کالی کمائی سے ملے زر کا پجاری کون ہے ؟

وہ سنگدل بیداد خُو، وہ بے مروّت کون ہے
وہ تیرہ بختی قوم کی، جنتا کی شامت کون ہے ؟
وہ بے حیا وہ بدچلن بدکار شہری کون ہے ؟
بے درد قاتِل کون ہے، وہ ناگ زہری کون ہے ؟

ہے کون دورِ حال میں جو ملک کا غدّار ہے
ہر سانس جس منحوس کی چلتی ہوئی تلوار ہے
ہے کون جس کی رُوح ہے فاسد خیالوں کا وطن
کس کو لگی ہے رات دن کالی کمائی کی لگن ؟

کِس کے دِلِ ناپاک میں ہیں پل رہی مکّاریاں
کِس کی تجوری بھر رہی ہیں رات دِن غدّاریاں ؟

کِس کی ہوس کی آگ ہے لاکھوں غریبوں کی چِتا
قِلّت زدوں، فاقہ کشوں، حسرت نصیبوں کی چِتا

لاج اور غیرت کی چِتا، بے بس سُہاگوں کی چِتا
معصوم بچّوں کی چِتا، بھارت کے بھاگوں کی چِتا

کِس کی ہوس نے دہر میں رُسوا وطن کو کر دیا
کِس نے سماجی زندگی کو تلخیوں سے بھر دیا

وہ کون ہے —— ؟ وہ ہند کا لوبھی منافع باز ہے
قِلّت میں ہی اُس دُشٹ کی خوشحالیوں کا راز ہے

ہے کام اُس بے دین کا بھاری ذخیرے جوڑنا
مہنگائی لانے کیلئے رُخ قیمتوں کا موڑنا

آشاؤں کا قاتل ہے وہ، خوشیوں کا ہتیارا ہے وہ
اشکوں کا سوداگر ہے وہ، آہوں کا بنجارا ہے وہ

وہ جب بھی چاہے چھین لے ہاتھوں سے بڑھ کر روٹیاں
وہ بن کے خونی بھیڑیا جنتا کی نوچے بوٹیاں

پیشہ ہے اُس شیطان کا جیبوں پہ ڈاکے مارنا
خلقت میں فاقے بانٹنا، قانون کو للکارنا

مذہب ہے اُس کا کسبِ زر، دھرم اُسکا ہے حرص و طمع
جلتی ہے خونِ خلق سے اُسکی مرادوں کی شمع

پیسہ ہی اُس کا ہے خدا، پیارا نہیں اُسکو وطن
دیکھی نہ اُسکی روح نے اب تک مروت کی کرن

بھارت کے اِس غدار کو رستے پہ لانا فرض ہے
اِس پھیلتے ناسور میں نشتر لگانا فرض ہے

ادھورے سپنے!

قسم کھائی تھی ہم نے اِک سنہرا دور لانے کی
وطن سے نکبت و بے روزگاری کو مٹانے کی

قسم کھائی تھی ہم نے ہند کو خوشحال کرنے کی
زرِ آسودگی سے اِسکو مالا مال کرنے کی

قسم کھائی تھی ہم نے دیس کی قسمت جگا دینگے
غلامی کے نشاناتِ کہن یکسر مٹا دینگے

کچھ آشاؤں کے دیپک ہم نے سینوں میں جلائے تھے
بجھی آنکھوں میں خوشحالی کے کچھ سپنے سجائے تھے

مگر آئی جو خوشحالی وطن میں وہ ادھوری ہے
ابھی آزادِ جاں اپنے لئے منزل کی دوری ہے

ہوئے ہر چند ہم کچھ کامراں بائیس۲۲ برسوں میں
بڑھا آگے وطن کا کارواں بائیس۲۲ برسوں میں

ہوا کچھ بارور عزمِ جواں بائیس۲۲ برسوں میں
اُٹھائیں ہم نے کتنی سختیاں بائیس۲۲ برسوں میں

رہے اِک کشمکش کے درمیاں اِن بیتے برسوں میں
ہوئے کیا کیا ہمارے امتحاں اِن بیتے برسوں میں

مسائل کو بہت جہد و عمل سے ہم نے سُلجھایا
ہمارا حوصلہ کتنے ہی طوفانوں سے ٹکرایا

وطن کی سرحدوں پر غیر کے حملوں کا منہ موڑا
لڑیں جنگیں غرورِ دشمنِ ناپاک کو توڑا

نئے آئین سے عزم و عمل کی روشنی لے کر
نئی اقدار سے دِل میں سرورِ آگہی لے کر

بڑھے جمہوریت کی راہ پر محشر خرامی سے
زمانہ ہو گیا ششدر ہماری تیز گامی سے

لگایا دیس کی تعمیر نو میں اپنی طاقت کو
دیا ہم نے فروغ اپنی زراعت اور صنعت کو

لگائے کارخانے کام دھندے کر دیئے جاری
بنائے باندھ ندیوں پر گھٹی بھارت میں بیکاری

کیئے پُر نور ہم نے شہر کیا دیہات بجلی سے
مشینیں کیا چلے چھوٹے بڑے آلات بجلی سے

غبارے آسماں میں راکٹوں کو ہم نے دوڑایا
زمیں پر دُور تک سڑکوں کا ہم نے جال پھیلایا

بڑھایا سلسلہ ریلوں کا طول و عرض بھارت میں
کمایا خوب ہم نے غیر ملکوں سے تجارت میں

نکالے تیل کے چشمے زمیں کا چھید کر سینہ
چٹانیں چیر کر حاصل کیا دھاتوں کا گنجینہ

اُپج ہم نے بڑھائی کارخانوں اور کھیتوں میں
بدل ڈالے زراعت کے طریق و طور کھیتوں میں

نئے اسکول کھولے علم کو ارزاں کیا ہم نے
شفا خانے کیئے جاری وطن میں جا بجا ہم نے

بڑھائیں اُجرتیں مزدور و دہقان و ملازم کی
اصولِ عدل پر بزمِ وطن ہم نے منظّم کی

مگر انعام کیا اِس سعیٔ پیہم کا ملا ہم کو
ادھورا ہے ملا جو اپنی محنت کا صِلا ہم کو

وہ خوشحالی جسے ہر فرد کے حِصّے میں آنا تھا
جو آغازِ عمل کے وقت سے اپنا نشانا تھا

ہر اِک ہندی کے گھر میں اُتنی خوشحالی نہیں آئی
اگر آئی تو وہ خدشات سے خالی نہیں آئی

اُدھر محوِ عمل پیہم تھا اپنا عزمِ فولادی
اِسی اثنا میں ڈیوڑھی ہو گئی بھارت کی آبادی

ثمر محنت کا پھر ہم کو مکمّل کس طرح ملتا
مُرادوں کا چمن ایسی فضا میں کس طرح کھِلتا

فزوں ہوتی گئی یونہی اگر بھارت کی آبادی
وسائل کی کہاں روکے رُکے گی ہم سے بربادی

اگر رفتارِ پیدائش کو کم ہم کر نہ پائیں گے
تو آزادی کی بنیادوں کو محکم کر نہ پائیں گے

وطن سے نکبت و افلاس کا سایا نہ جائے گا
بغیرِ کنبہ بندی دورِ خوشحالی نہ آئے گا

رہیں گے تشنۂ تعبیر سب سپنے مسرت کے
نہ آئیں گے کبھی بھولے سے بھی دن عیش و راحت کے

جو لے جانا ہے بھارت کو ترقی کی بلندی پر
عمل پیرا ہر اک اہلِ وطن ہو کنبہ بندی پر

اصولِ کنبہ بندی کے جو اہلِ ہند قائل ہوں
تو حل اِس دیس کے چھوٹے بڑے سارے مسائل ہوں

تمنّاؤں کی وادی ——— کانگڑہ

آج پھر اُبھری ہے خوابوں میں وہ دلکش وادی
گود میں جس کی بِتائی ہے جوانی میں نے
کھو گئیں گیارہ بہاریں مرے جیون کی جہاں
جس کی خدمت میں لگائی ہے جوانی میں نے

کانگڑہ جاذبِ دل مست نظاروں کی زمیں
ابر پاروں کا چھلکتی ہوئی ندیوں کا وطن
میری تخئیل کی آنکھوں میں ابھی گھوما ہے
اِک فلم بن کے وہی میری اُمنگوں کا چمن

برف کا تاج سجائے ہوئے سر پر اپنے
اور ماتھے پہ لگائے ہوئے اوشا کا تلک
تن پہ ہریالی کا شال اوڑھے ہوئے دھولادھار
اپنی عظمت کی دکھاتی ہے مسافر کو جھلک

بھاگسو ناتھ کے چشمے کا وہ پُرشور بہاؤ
جھاگ اڑاتی ہوئی وہ بیاس کی چنچل لہریں
"روگ ناشک" وہ منی کرن کا اُبلتا پانی
دل لبھاتی ہوئی پنڈوہ کی نرمل لہریں

گیت گاتی ہوئی جوگل کی وہ شیتل دھارا
رقص کرتی ہوئی ندیاں وہ چران اور بنیر
اپنی منزل کی طرف تیزی سے بڑھتی جاتی
سنگریزوں کے سمیٹے ہوئے آنچل میں وہ ڈھیر

دھرم سالہ سے کچھ اوپر کی طرف ڈل کے قریب
سوَرگ آشرم میں یہ میلہ سا لگا ہے کیسا؟
کتنا پاکیزہ و دلکش ہے یہاں کا ماحول
اِس جگہ رہتے ہیں تبت کے دلائی لامہ

کانگڑہ بھون میں دیوی کا مقدّس مندر
کھنچے آتے ہیں جہاں بھگوتی کے دیوانے
جن کو وشواس ہے پاتے ہیں یہاں من کی مُراد
کتنے ہی بھگت یہاں آتے ہیں درشن پانے

چلیئے کی جھاڑیاں، وہ دھان کے جھکے ہوئے کھیت
چیل کے پیڑوں نے تانا ہوا، سُندر چھاتا
درمیاں ایسے مناظر کے ہے اِک معبدِ پاک
جہاں دربار لگائے ہے چومنڈا ماتا

اور وہ جوالا مکھی شکتی جہاں زخ مکھ سے
سحر و شام اُگلتی ہے بھینکر شعلے
سب بھرم بھاؤ جلا دیتے ہیں جو پل بھر میں
محفلِ روح کو کرتے ہیں منور شعلے

بیاس نے جنم لیا کوکھ سے جس کی وہ زمیں
سُرخ سیبوں کی، حسیں گلبدنوں کی گھاٹی
دیوتاؤں کی زمیں کہتے ہیں کلو جس کو
شوخی و حُسن کی ہے کان جہاں کی ماٹی

برف کی چھایا میں چھوٹا سا منالی کا نگر
دِلکشی جس کی جواہر سے رہی ہے منسوب
جس کے نظاروں نے من موہ لیا نہرو کا
جس کا ماحولِ سکوں ریز تھا اُس کو مرغوب

ہاں وہی وادیٔ شاداب نظر آئی ہے
اپنے خوابوں کے دھندلکوں میں مجھے بیتی رات
کاش یہ خواب مرا جلد حقیقت بن جائے
کاش لوٹ آئیں وہ پُر کیف سنہرے لمحات

رہبرِ فرزانہ

(ڈاکٹر ذاکر حسین کو شردھانجلی)

کاروانِ ہند کا تھا رہبرِ فرزانہ تو
پاسدارِ اتحادِ کعبہ و بت خانہ تو
نورِ تعلیماتِ گاندھی کا رہا پروانہ تو
بنتے بنتے بن گیا خود ہی تجلی خانہ تو
عکسِ باپو کے خصائل کا تھا تیری ذات میں
سادگی اطوار میں پاکیزگی عادات میں

ہو کر اپنے رہنما کے نقشِ پا پر گامزن
بھر کے اپنے قلب و جاں میں پیارے باپو کے سخن
تو فرنگی سے لڑا باندھے ہوئے سر سے کفن
حوصلے تیرے ہوئے پھر صرفِ تعمیرِ وطن
جانِ محفل کہہ اٹھی اس دیس کی محفل تجھے
لے اڑا اتنی بلندی پر خلوصِ دل تجھے

پاسباں تھا تُو شرافت کی حسیں اقدار کا
زندگی تیری تھی پیکر خوبیٔ کردار کا
باعمل تھا تُو، فقط غازی نہ تھا گفتار کا
معترف ہے دیس تیرے جذبۂ ایثار کا

کچھ تو گُن تھے تیری شخصیت میں گاندھی واد کے
اور کچھ اوصاف تھے ابوالکلام آزاد کے

ماہرِ تعلیم تُو تھا فاضلِ دوراں تھا تُو!
صلحِ کُل تھا جس کا مشرب سیاستداں تھا تُو
مخزنِ اخلاق تھا تُو صاحبِ ایماں تھا تُو
نازِ ہے انسانیت کو جس پہ وہ اِنساں تھا تُو

قوم کو تیری قیادت پر تھا گہرا اعتماد
اہلِ ہندستاں تجھے صدیوں تلک رکھیں گے یاد

شب خول

[پیارے دوست موہن لال چودھری (چنڈیگڑھ) کی
یاد میں جسے مرحوم کہتے ہوئے کلیجہ منہ کو آتا ہے
۱۴ مئی ۱۹۷۰ء کو مرحوم موٹر سائیکل کے حادثہ میں جاں بحق ہو گیا]

حادثہ ایسا ہوا ہے زندگی کے موڑ پر
جس نے میرا شیشۂ دل رکھ دیا ہے توڑ کر

آن گزنت چیخوں سے میرے ساز دل کو بھر گیا
ناگہانی یوں بچھڑنا پیارے موہن لال کا

چوٹ کچھ ایسی لگی ہے بلبلا اٹھا ہے دل
زندگی بھر زخم یہ ہوگا نہ ہرگز مندمل

زندگی کے قافلے پر موت کا شب خوں یہ ہائے
آسماں دشمن کو بھی ہرگز نہ دن ایسا دکھائے

ڈھل گئے ہیں نوحۂ غم میں تمناؤں کے راگ
ڈس گیا ہے میری خوشیوں کو سیہ بختی کا ناگ

وقت نے پھر تیر مارا ہے کلیجے میں مرے
ہجر کا خنجر اتارا ہے کلیجے میں مرے

پیارے موہن لال! دل کو چھیدتی ہے تیری یاد
اٹھ گیا ہے آج میرا زندگی سے اعتماد

گو رہا تو زیست کی ہر دوڑ میں محشر خرام
موت کی جانب تو پیارے یوں نہ ہوتا تیز گام

چھوڑ کر رونق پہ تو دنیا کا میلا چل دیا
ہمسفر سوئے ہوئے تھے تو اکیلا چل دیا

میری آنکھوں سے امڈ پڑتے ہیں آنسو صف بہ صف
جب نظر جاتی ہے بھابی اور بچوں کی طرف

یوں تو سب کچھ میں نے دیکھا دیدۂ خونبار سے
رہ گیا محروم تیرے آخری دیدار سے

دُور تجھ سے لے گئی مجھ کو تلاشِ روزگار
ہمنشینِ دل رہا پھر بھی ہمیشہ تیرا پیار

دِل میں رکھا تھا سجا کر تجھ کو پھولوں کی طرح
میں نے چاہا تھا تجھے اپنے اصولوں کی طرح

میری ہر اک مرحلے پر چارہ سازی تُو نے کی
بھائیوں سے بھی زیادہ دلنوازی تُو نے کی

یوں تو نظروں میں مری احباب ہی احباب ہیں
تجھ سے مخلص دوست دُنیا میں مگر نایاب ہیں

کون سا ہے دوست جِس کی تُو نے دلداری نہ کی
کون سا دشمن ہے جِس کی تُو نے غمخواری نہ کی

چھوڑ کر دُنیائے فانی جا بسا ہے تُو جہاں
کوئی کارِ خیر تیرا منتظر ہوگا وہاں

دفعتاً تیری جو خالق کو ضرورت پڑ گئی
تشنۂ تکمیل ہوگا کام نیکی کا کوئی

کم نہ ہوں گے زندگی بھر ہجر کے یہ فاصلے
ذہن میں روشن رہیں گے تیری یادوں کے دیئے

تُو نہ دے بیشک مرے اشکوں کا، آہوں کا جواب
کچھ بھی ہو جائے بُھلا سکتا نہیں تجھ کو شباب

نذرِ منوّر

(اُستادِ گرامی علامہ بشیشور پرشاد صاحب منوّر لکھنوی کی وفات پر)

(تاریخِ وفات: ۲۴ مئی ۱۹۷۰ء)

دلدادگانِ شعرِ منوّر اُداس ہیں
بزمِ سخن میں آج منوّر نہیں رہا

اقلیمِ فکروفن کی یتامت پہ رویئے
اقلیمِ فکروفن کا سکندر نہیں رہا

تخلیق و ترجمہ کی نفاست میں بے گماں
فیضی کا تھا جو ہند میں ہمسر، نہیں رہا

گہرائیوں سے دِل کی اُگلتا تھا جو رتن
وہ فکرِ و فلسفہ کا سمندر نہیں رہا

"خونِ جگر ٹپکتا تھا" جس کے کلام سے
وہ زندگی شناس سخنور نہیں رہا

جس کا ہر اِک خیال تھا الہام سر بسر
دنیائے شعر کا وہ پیمبر، نہیں رہا

"جو خود نمائیوں" سے گریزاں رہا مدام[۲]
وہ عجز و انکسار کا پیکر نہیں رہا

ارباب دل کو دے کے گیا "کائناتِ دل"[۳]
گو خود شریکِ بزم وہ دلبر نہیں رہا

وہ کشورِ افق[۴] کا ولی عہدِ ذی وقار
باغِ نظر[۵] کا آج گلِ تر نہیں رہا

رشتہ تھا جس سے روح کا اکیس سال سے
وہ مردِ باکمال وہ رہبر نہیں رہا

کرتا رہوں گا پھر بھی شبابِ اکتسابِ نورؔ
ہر چند اب جہاں میں منورؔ نہیں رہا

---

[۱] "میرے کلام سے خونِ جگر ٹپکتا ہے قبولِ عام کی پھر بھی سند نہیں ملتی" منورؔ لکھنوی

[۲] "کہاں کامیابی کہاں یہ زمانہ منورؔ تجھے خود نمائی نہ آئی"

[۳] "کائناتِ دل"۔ علامہ منورؔ لکھنوی کا مجموعۂ کلام

[۴] علامہ منورؔ کے والدِ ماجد منشی دوارکا پرشاد افقؔ لکھنوی

[۵] علامہ منورؔ لکھنوی کے استادِ گرامی منشی نوبت رائے نظرؔ لکھنوی

قطعات

تیرے غم کے سوا کوئی بھی چیز
میرے دل کی مزاج داں نہ ہوئی

چند نغمے، چند نالے

(قطعات)

(۱)

میرے احساس کی فضاؤں پر
آج تک اک نشہ سا طاری ہے
آپ کے گیسوؤں کے سائے میں
میں نے اک رات کیا گزاری ہے

(۲)

ہم کبھی مجبورِ مے گساری ہیں
ہم بھی ساقی ترے بھکاری ہیں
زندگی کے قمار خانے میں
ہم بھی ہارے ہوئے جواری ہیں

(۳)

دِل ہے وہ لاجواب شہر جسے
شہر کے حکمراں نے لُوٹ لیا
آہ تقدیر اُس گلستاں کی
جس کو خود باغباں نے لُوٹ لیا

(۴)

مار ڈالے نہ اُن کی ٹِیس کہیں
دِل پہ جور رنج و غم کے چھالے ہیں
چل مرے غم گسار دیر نہ کر
میکدے بند ہونے والے ہیں

(۵)

ایک پیغام ہے، ذرا سنئے
آپ کے نام ہے، ذرا سنئے
حسن اِتنا غلط نواز ہے کیوں؟
شکوۂ عام ہے، ذرا سنئے

(۶)

میرے دل میں فریب کا خنجر
دشمنوں نے نہیں اُتارا ہے
میرا دشمن بنا مرا ہی خلوص
سادہ لَوحی نے مجھ کو مارا ہے

(۷)

آپ کو پا سکوں کہاں ممکن
میں کہاں اور پھر کہاں سرکار
آپ منزل ہیں کاروانوں کی!
اور ہیں راستوں کا گرد و غبار

(۸)

بے خودی جام دل میں بھرتی ہے
روح سے گردِ غم اُترتی ہے
عشق سے مجھ کو روکنے والے!
عشق سے زندگی سنورتی ہے

بے خیالی میں آپ کے سر سے
تا بہ شانہ ڈھلک گیا آنچل
زلفِ شبگوں سے ہو کے شرمندہ
پسِ کہسار جا چھپے بادل

(۹)

ظلمتوں سے حیات اُبھرتی ہے
رُوح میں روشنی اُترتی ہے
عشق سے حُسن زندگی ہی نہیں
عشق سے عاقبت سنورتی ہے

(۱۰)

آرزو کوئی کامراں نہ ہوئی
زندگی مجھ پہ مہرباں نہ ہوئی
تیرے غم کے سوا کوئی بھی چیز
میرے دل کی مزاج داں نہ ہوئی

(۱۱)

اپنے خادم کو یوں نہ ٹھکراؤ
جاں نثاری ہی اسکی خُو بُو ہے
وقت پر کام آئے یہ شاید
آدمی آدمی کی دارُو ہے

(۱۲)

قدرِ زندگی

زندگی اپنے قدردانوں کو
اپنی باہوں میں تھام لیتی ہے
جو اسے کوستے ہیں اُن سے مگر
زندگی انتقام لیتی ہے

پھول اور کانٹے

سچ یہ ہے مفلسوں کی دنیا میں
دوست پائے وفا شعار بہت
ہم وہ گلشن پرست ہیں جن کو
راس آئے چمن کے خار بہت

وارداتِ ستم

ظلم یہ برملا ہوا مجھ پر
دیکھتا تھا تمام مے خانہ
مجھ سے کچھ جابروں نے چھین لیا
میرے حصے کا تھا جو پیمانہ

رسمِ وفا

تم ملامت کرو ہزار ہمیں
ہم نہ رسمِ وفا کو چھوڑیں گے
فاش کر کے تمہارے رازوں کو
ہم نہ اپنے اصول توڑیں گے

احوالِ واقعی

برملا ہو رہی ہے مشقِ ستم
لوٹ اِک میکدے میں جاری ہے
رِند چُپ ہیں خموش ہے ساقی
بے حسی انجمن پہ طاری ہے

جوابِ ستم

ترکِ الفت پہ کبھی تمھاری طرح
ہم نہ زنہار کُفر تولیں گے
تم ہمیں شوق سے کرو رُسوا
ہم نہ ہرگز زبان کھولیں گے

حادثات

صرف جانسوز مشکلیں ہی نہیں
خرد افروز تجربات بھی ہیں!
جانِ من! منزلِ محبت میں
زندگی بخش حادثات بھی ہیں

خوش آمدید

آپ تشریف لائے، جی صدقے
بادہ حاضر ہے، جام حاضر ہے
اور خدمت کوئی مرے لائق؟
حُکم کیجے غلام حاضر ہے

چمن پرست

جان دیتے تھے جو چمن کے لئے
آجکل وہ چمن پرست کہاں
اب ہیں باتیں وطن فروشی کی
جا بسے ہیں وطن پرست کہاں

مایوسی

تنگ آ کر ترے تغافل سے
تجھ سے ملنے کی آرزو چھوڑی
جس کا حاصل تھا صرف مایوسی
ہم نے آخر وہ جستجو چھوڑی

مصلحت

چاپلوسوں کا یہ زمانہ ہے
اور مسکا لگانے والوں کا
بے ہنر ہم بنے ہیں مصلحتاً
دیکھ کر حشر باکمالوں کا

انتقام

مشکلیں راہ میں ٹھہر نہ سکیں
ہم نے جب بھی تمہارا نام لیا
ہنس دیئے ہم ہر اک مصیبت پر
یوں بھی قسمت سے انتقام لیا

معیارِ دوستی

یوں بھی تنزئینِ زندگی کرلی
اپنی قسمت سے دل لگی کرلی
لالہ و گل کو تھا غرور بہت
ہم نے کانٹوں سے دوستی کرلی

ذکرِ بہار

جو سمندر پہ ہی برستا ہے
کیوں اسے ابرِ فیض بار کہیں
جو ہے محدود صرف تختوں تک
کس لئے ہم اسے بہار کہیں

تلقین

دورِ آفات کٹ ہی جائیگا
کوئی زندہ دلی کی بات کرو
ذکر کرتے ہو کیوں اندھیروں کا
ساتھیو روشنی کی بات کرو

شعاعِ امید

ہاں نہیں وقت سے ذرا مایوس
دورِ نو جلد آنے والا ہے
جھونپڑوں کو بھی جو لُبھائے گا
میری نظروں میں وہ اجالا ہے

عزمِ منزل

ساتھیو دور ہے ابھی منزل
اور کچھ جوش سے بڑھائیں قدم
لاکھ طوفان راستا روکیں
جا کے منزل پہ ہی رُکیں گے ہم

پریم جھیم

جس پہ ہوتی تھی پیار کی رِم جِھم
کب سے پیاسا ہے من کا وہ آنگن
موہ کے من کو جا بسا ہے کہاں
وہ مرے من کا میت من موہن

فروغِ بزم

بزمِ احباب کا ہے ان سے فروغ۔ بزمِ احباب کا ہے اِن سے وقار
شورش، منظور، ہوش، منموہن، عشرت، آزاد، آتم اور خمار

جناب عرش صہبائی۔ حکیم منظور۔ پورن کمار ہوش۔ منموہن شرما امرتسری۔
ڈاکٹر امرت لال عشرت۔ آزاد گلاٹی۔ آتم گورداسپوری۔ خمار جالندھری

دردِ وطن

(قطعات)

سپاہی کی سوگند

مادرِ ہند میں ترا فرزند
حوصلے ہیں مرے فلک سے بُلند
ہیں عدو کو مٹا کے دم لوں گا
ماں مجھے تیرے دودھ کی سوگند

گناہگار

اُسکی نیت کا اعتبار نہیں
اُس سا کوئی گناہ گار نہیں
وہ بشر ننگِ آدمیت ہے
جس کو اپنے وطن سے پیار نہیں

سود و زیاں

دیش کی اَن گنت سمسیائیں
ہم سے کچھ مانگتی ہیں قربانی
دیش کے لابھ ہیں ہے سب کا لابھ
اسکی ہانی ہیں سب کی ہے ہانی

رازِ آسودگی

بڑھ رہی ہے جو اتنی آبادی
روکنا اس کا بھی ضروری ہے
اقتصادی خوشی نہ ہو حاصل
تو یہ جمہوریت ادھوری ہے

رفو گری

گھر میں اولاد ہو اگر تھوڑی
دیش پر بار بن کے ہم نہ جئیں
کنبہ بندی کی راہ اپنا کر
کیوں نہ خود چاک مفلسی کے سئیں

فرقہ پرست لیڈر

باہمی پھوٹ اور نفرت کا
اہلِ قوم و وطن کو دے جو پیام
ایسے رہبر پہ حیف ہے اے شباب
ایسے رہبر کو دور ہی سے سلام

نعرۂ اتحاد

خواہ کیسی ہی آ پڑے افتاد
عزمِ ہندی ہے غیرتِ فولاد
ہر مصیبت سے ہم نپٹ لیں گے
ہند کی ایکتا سلامت باد

بھارتی سپاہی کی آرزو

تجھ کو تعظیم اے زمینِ وطن
تجھ پہ قربان میرے تن من دھن
میں رہوں اس جہاں میں یا نہ رہوں
لہلہاتا رہے ترا گلشن

فہرستِ کتب جنابِ عرش صہبائی کی

قابلِ قدر تصانیف

			قیمت
شکستِ جام	(مجموعۂ کلام)	تیسرا ایڈیشن	۴/=
شگفتِ گل	,,		۲/۵۰
انجم کدہ	(تذکرہ)		۱/۵۰
یہ جانے پہچانے لوگ	,,		۴/=
صلیب	(مجموعۂ کلام)		۵/=
آبروئے سخن	(انتخاب)		۳/=
چشمِ نیم باز	(مجموعۂ کلام)		۵/=

شباب للت کے شعری مجموعے

مضراب :- جسے حکومتِ پنجاب نے ۱۹۶۳ء میں اوّل انعام
عطا فرمایا۔ قیمت :- ۳ روپے

پتوار :- جس پر پنجاب سرکار نے ۱۹۶۴ء میں اوّل انعام عطا فرمایا۔
قیمت :- اردو۔ دیوناگری دونو ایڈیشن ۳ روپے ۵۰ پیسے

پُروائی :- حکومتِ ہماچل پردیش سے منظور شدہ۔ لائبریریوں کیلئے
ایک قابلِ قدر اضافہ۔ قیمت چار روپے

ملنے کا پتہ :- اردو مرکز ۱۴۵ صہبائی سٹریٹ۔ کچی چھاؤنی جموں ۲

مختلف نامور نقادوں اور شعراء کے مقبول فن پارے

ادبی قدریں اور نفسیات ۔ ڈاکٹر شکیل الرحمٰن قیمت ۱۲/۵۰ روپے

یہ باتیں ہماریاں ۔ ڈاکٹر شکیل الرحمٰن کی شخصیت کا مطالعہ ۳/۵۰

فیض احمد فیض کی شاعری قیمت ۱/=	آغوشِ خیال ۔ آزاد گلاٹی ۳/=
شمیم گل :۔ عابد مناوری کا مجموعۂ کلام ۴/=	تمہاری باتیں (دیوناگری ایڈیشن) آزاد گلاٹی
بہارِ غزل " " ۲/=	قیمت :۔ تین روپے
اے جنتِ کشمیر ۔ مؤلفہ عابد مناوری ۴/=	خدا خیر کرے ۔ موہن امرتسری ۲/=

گستاخیاں ۔ پروفیسر اخگر شہبانی ۱/۲۵

کارواں خیالوں کے ۔ نوبہار صابر ۶/=

نولۓ مضطر ۔ رام رتن مضطر ۵/=

جائزے
رشی پٹیالوی

لہو ترنگ
نوبہار صابر ۳/۵۰

جامِ صد رنگ ۔ ن ن نجمی ۴/=	ترنگیں ۔ رانا گنوری ایم اے ۲/=
آوازیں ۔ پورن کمار ہوش ۳/=	مہکے دوست " ۳/=

ملنے کا پتہ

اردو مرکز

۱۴۵ ۔ صہبائی سٹریٹ
کچی چھاؤنی ۔ جموں ۲

(باہتمام شری رام پیارا جی منیجر پنجاب نیشنل پریس جالندھر سے چھپوا کر دہر سالہ سے شائع ہوا)



اردو غزل کی مخصوص روایات سے نئے شاعروں کو بلاغت اور طلسمی رمزیت کی ایک دنیا ہاتھ آئی ہے۔ شباب اس دنیا کو پہچانتے ہیں۔ اُن کے لئے بھی چونکہ وہ تجربے زیادہ قیمتی ہیں جو حسن و عشق کے طلسمی دائرے میں پیدا ہوئے ہیں اسلئے وہ اپنی روایات سے زیادہ فائدہ اُٹھا رہے ہیں۔ اس طرح اُن کا تجربہ پھیل کر ہمارے تجربوں کو بھی اپنے قریب کر لیتا ہے۔ بزرگوں کے افکار اور تجربات کی یہی خصوصیت رہی ہے چراغ سے چراغ جلاتے ہوئے وہ اس گہری حقیقت پر نظر رکھتے ہیں۔ اتنی صاف زبان جدید غزل میں بہت کم ملتی ہے۔

شباب کے تجربے پیچیدہ نہیں ہیں اور وہ اسکی کوشش بھی نہیں کرتے۔ شباب کے تجربے سادہ ہیں۔ اُن کے ہاں سادگی بھی ہے اور پختگی بھی۔ الفاظ کے انتخاب اور تراکیب و کنایات کے استعمال میں ان کا محتاط شعور ہمیشہ چوکنا رہتا ہے۔

اُن کی نظموں کا شعوری اور منطقی تجزیہ آسانی سے کیا جا سکتا ہے سماجی اور سیاسی بصیرت کی وہ دھوپ بھی ملے گی جس سے ہر پہلو روشن ہے۔ شباب نے ان نظموں سے ایک کام لیا ہے۔ اور وہ یہ کہ ہندوستانی عوام کو ایک خاص جذباتی سطح پر لایا جائے۔ ان نظموں کے بنیادی خیال کا رشتہ بھی جذباتی زندگی سے گہرا ہے۔

ڈاکٹر شکیل الرحمٰن ایم اے ڈی لٹ۔ ریڈر سری نگر یونیورسٹی